بڑھبک

شوکت تھانوی

R. Banerjee

نسیم بکڈپو لاٹوش روڈ لکھنؤ

ایک نہایت دلچسپ مزاحیہ ناول

بُڑھبس

شوکت تھانوی

جملہ حقوق اشاعت بنام نسیم بکڈپو لکھنؤ
دائمی طور پر محفوظ ہیں۔

قیمت

دو روپیہ

ناشر

نسیم بکڈپو۔ لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ

ٹیلیفون ۲۴۵۵۹

ناشر: عزیز الرحمٰن

پرنٹر: الواعظ صفدر پریس لکھنؤ

مقدمہ

کسی تصنیف پر مقدمہ لکھنے کا مقصد میرے خیال سے یہ ہوا کرتا ہے کہ مصنّف سے بڑی شخصیت کا ادیب مصنّف کی تصنیف کو اپنی کسوٹی پر پرکھے اور اس کا لب لباب چند صفحات میں لکھ کر ناظرین کو بتا دے کہ یہ تصنیف دراصل کیسی ہے، اس میں کیا کیا خوبیاں ہیں اور کیا کیا کمزوریاں۔ لیکن ایسے مقدمات انھیں مصنّفوں کی تصانیف کے ساتھ شائع کئے جا سکتے ہیں جن سے دنیا اچھی طرح روشناس نہ ہو یا پہلے پہل اپنی تصنیف کو پیش کر رہے ہوں ——— لیکن آجکل مقدمہ بازی جس طرح زمینداری کا جز بن گئی ہے۔ اسی طرح تصنیفات بھی کمتر ہی اس سے خالی نظر آتی ہیں۔ میں نے بھی اپنے محترم دوست شوکت تھانوی کی متعدد کتابوں پر مقدمات لکھے لیکن میرا ایمان ہے کہ یہ مقدمات مندرجہ بالا تشریح کے مطابق ہرگز نہیں کہے جا سکتے اس لئے شوکت تھانوی کو دنیائے ادب اور خصوصاً مزاح نگاری میں جو مقبولیت حاصل ہے وہ محتاج تعارف نہیں، شوکت صاحب کی تصانیف پر میرے مقدمات صرف ایک پبلشر کی حیثیت سے شامل ہوئے ہیں اور محض اس لئے کہ میں شوکت صاحب اور ان کی تصانیف کا سب سے زیادہ قدردان ہوں۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے موجِ تبسّم اپنے نسیم بکڈپو سے شائع کی، اس پر بھی میں نے ہی مقدمہ لکھا تھا۔ اس کے بعد بحرِ تبسّم کی اشاعت ہوئی، گو اس پر مقدمہ میں نے نہیں لکھا لیکن اس کا پبلشر بھی میں ہی تھا، اس کے بعد ایک مجموعہ مضامین صدیق بکڈپو نے شائع کیا، اور چوتھا خود مصنّف نے اسی عرصہ میں میرے اصرار پر شوکت صاحب نے سرپنچ میں مسلسل ناولوں کا سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلا ناول

دِل پھینک تھا جسے ناظرینِ سرپنچ نے غیر معمولی پسندیدگی کی نظروں سے پڑھا۔ اس کے بعد "بُڑھبس" اور خانم خاں دو اور ناول سرپنچ میں شائع ہوتے رہے، دِل پھینک کی اشاعت نے یہ راز آشکارا کر دیا کہ شوکت صاحب جہاں مختصر مزاحیہ مضامین لکھ کر ادب لطیف میں ایک خاص اندازِ تحریر کے شہنشاہ تسلیم کر لئے گئے ہیں۔ وہیں فنِ ناول نگاری میں بھی انھیں خصوصیت حاصل ہو سکتی ہے۔

۸ر اگست ۱۹۳۶ء کو میں نے شوکت صاحب کے سب سے پہلے ناول "دل پھینک" کو تسیم بکڈپو سے شائع کیا۔ اس پر بھی میں نے ہی مقدمہ لکھا اس کے بعد دوسرا ناول مئی ۱۹۳۷ء میں سوتیا چاہ کے نام سے میں نے شائع کیا۔ یہ ناول چونکہ حریم میں شائع ہوا تھا۔ لہذا پرچہ اور نام کی مناسبت و موزونیت کے باعث اس کا مقدمہ شوکت صاحب کی شوکت دلہن نے لکھا، اور اب اس تیسرے زیرِ نظر ناول بُڑھبس کا مقدمہ میں ہی اس لئے لکھ رہا ہوں کہ کسی اور سے لکھوانے میں تاخیر ہوگی اور تجارتی نقطۂ نظر کے ماتحت اس کی فوری اشاعت ضروری ہے۔ "بُڑھبس" میں کیا ہوگا۔ اس کے بتانے کی ضرورت نہیں مصنف نے اپنی قادر الکلامی سے اس ناول کا نام ہی ایسا رکھ دیا ہے جو نفسِ مضمون کی وضاحت کر رہا ہے۔

شوکت صاحب یوں تو جو کچھ لکھتے ہیں ہمیشہ خوب لکھتے ہیں۔ خصوصاً میری نظر میں ان کا ہر جملہ اور ہر لفظ انوکھا معلوم ہوتا ہے ـــــــ لیکن میں وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ "بُڑھبس" میں شوکت صاحب نے اپنے طرزِ تحریر کا وہ جادو دکھایا ہے کہ دشمن بھی پڑھ کر واہ واہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

لب گور میر صاحب کا کیرکٹر جس پُرلطف طریقہ پر شوکت صاحب نے پیش

کیا ہے وہ آپ اپنی نظیر ہے ان کی بوالہوسی اور زبانی عیاشیوں کا خاکہ جس طرح شوکت صاحب
نے الفاظ میں کھینچا ہے یہ صرف انھیں کا کام ہے۔
میر صاحب کے علاوہ شیخ صاحب اور شیخانی صاحبہ کے دلچسپ کردار بھی اس درجہ
پر لطف ہیں کہ آپ ہنسی پر قابو نہیں رکھ سکتے۔
ساتھ ساتھ عشق و محبت کی داستان بھی ایسی انوکھی، دلچسپ اور دلکش ہے کہ
شاید و باید۔ پھر لطف یہ ہے کہ از اوّل تا آخر یہ ناول صرف ہنسنے، ہنسانے اور تفریح
طبع کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ ایک اصلاحی افسانہ ہے جو زمانۂ حال کے بڈھوں کی بوالہوسی
کی ایک سچی تصویر ہے اور جس کا ہر باب نصیحت سے لبریز ہے
سب سے زیادہ دلچسپ چیز اس ناول کا نتیجہ ہے جو اس درجہ کامیاب ہے کہ
بیساختہ منھ سے داد نکل جاتی ہے۔ یقیناً شوکت صاحب کے علاوہ اگر کوئی دوسرا مصنف
اس پلاٹ کو اٹھاتا تو اسے اس درجہ پر لطف طریقہ پر انجام کو نہ پہونچا سکتا۔
شوکت صاحب کے طرز تحریر کی سب سے بڑی خوبی یہ تسلیم کر لی گئی ہے کہ وہ بغیر پلاٹ
کے بھی ہر مضمون کو انتہائی دلچسپ بنا دیتے ہیں۔ دراصل یہ ان کے انوکھے طرز بیان
اور الفاظ کا ہیر پھیر ہے جو شوکت صاحب کے سوا کسی دوسرے مزاح نگار کو حاصل
نہ ہو سکا ——— لیکن اس ناول کو پڑھنے کے بعد آپ کو اس کا بھی قائل ہونا پڑیگا کہ
کہ اگر شوکت پلاٹ بنانے پر آجائیں تو دلچسپ سے دلچسپ پلاٹ بھی بنا سکتے ہیں چنانچہ بڑھبس
کا پلاٹ جس درجہ انوکھا اور دلچسپ ہے اسے آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس طرز بیان اور الفاظ
کی رنگینیوں نے تو گویا اس ناول میں چار چاند ہی لگا دئے ہیں۔

نسیم انہونوی
۲۰ رمئی ۳۷ء

پہلا باب

میر صاحب کی عمر کے متعلق وثوق سے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ یہ ہم کو خوب یاد ہے کہ ہم نے ہوش سنبھالنے کے بعد یعنی اب سے بیس پچیس سال پہلے ان حضرت کو جس شان کے ساتھ دیکھا تھا من و عن وہی آن و بان آجتک باقی ہے یہ اور بات ہے کہ وہ ہمیشہ ہم کو قبر میں پیر لٹکائے ہوئے نظر آئے ہوں اور ہم نے ان کو ہمیشہ پٹاری کا انگور پایا ہو بہر حال ان کا یہی کمال کچھ کم تعجب انگیز نہ تھا کہ وہ اتنے عرصہ سے ایک ایسی چلتی پھرتی لاش بنے ہوئے تھے جو مسالا لگا کر خراب ہونے سے محفوظ کر دی گئی ہو۔ اور پھر اس پر طرّہ یہ کہ آپ کو اپنی عمر کے ساتھ ساتھ اپنی شکل اور صورت اپنے مردانہ حسن، اپنی قوت، اپنی جامہ زیبی اور اپنے دلولۂ شباب کے متعلق اس قدر مضحکہ خیز غلط فہمیاں تھیں کہ آپ کو اپنی ان ہی غلط فہمیوں کی دھن میں اپنے بیوقوف ہو چکنے کا احساس بھی نہ تھا حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ آپ کی ذات بابرکات اس قدر بدزیب واقع ہوئی تھی کہ اگر آپ کو ڈارون کی تھیوری کا مرکز کہا جاتا تو بھی انکار کی گنجائش نہ تھی اور اگر آپ کے متعلق کوئی یہ سمجھ لیتا کہ آپ دنیا کے معمّر ترین انسان زار آغا خاں کے عم محترم ہیں تو بھی یہ بات بغیر غور کئے ہوئے صحیح مانی جا سکتی تھی۔ یعنی حال یہ تھا کہ آپ کے سر اقدس پر دھنکی ہوئی روئی نظر آتی تھی تو داڑھی بھی سفید تلعی پھیرنے کی کوچی

سے کسی طرح کم نہ تھی۔ چہرہ پر جھریوں کا ایسا جال بچھا ہوا تھا کہ آپ بالکل چک ڈزائن ہو کر

رہ گئے تھے۔ دانت بفضلہ سب کے سب کعبہ شریف جا چکے تھے۔ ہاتھوں میں رعشہ بھی

اس قدر خوفناک قسم کا تھا کہ اگر پانی کا بھرا ہوا کٹورہ پینے کے لئے اٹھائیں تو سب چھلک جائے

اور حلق میں صرف اتنا ہی پانی پہونچ سکے جس قدر عالم نزع میں شربت انار پہونچنا چاہئے

پشت مبارک پر کوہاں نکل رہا تھا، بصارت کا یہ حال تھا کہ اگر موٹے موٹے تال کا چشمہ

نہ لگائیں تو "اندھا محتاج بابا" والا مضمون نظر آجائے اسی طرح سماعت بھولوں کی محتاج

ہو چکی تھی مختصر یہ کہ آپ ہر حیثیت سے بذاتِ خود ایک مستقل عارضہ تھے۔ مگر دل جوان

تھا اور ایسا جوان کہ کیا کسی جوان کا دل ہوگا۔ بلکہ میر صاحب تو ہمیشہ فخر کے ساتھ فرمایا کرتے تھے

کہ شباب بھی کہیں عمر کا پابند ہوتا ہے اور واقعی ان کا یہ نظریہ خود ان کی امنگیں دیکھنے کے بعد صحیح

معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی عمر خدا نخواستہ کچھ زیادہ سمجھتے تھے

بلکہ ان کا یہ نظریہ تو عام بڈھوں کے متعلق تھا رہ گئے وہ خود تو ان بیچارے کو تو کمبخت نزلہ نے

جوانی میں بڈھا بنا دیا تھا ورنہ بقول خود ان کی عمر ہی ابھی کیا تھی بہر حال ان کی اس بعداز

وقت جوانی کے بارے ناک میں دم تھا۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ خدا نے ان کو چار بیٹے والا

بنایا تھا مفت کا گھر بیٹھے روپیہ آتا تھا، کوئی فکر نہ تھی، بیوی کو نہیں بلکہ بیویوں کی پلٹن کو دب

چکے تھے جو بچے تھے وہ خود اب بچوں والے تھے اور اپنے اپنے گھر کے ہو چکے تھے۔ اب رہ

گئے یہ پیر نابالغ اور ان کے دستر خوان کی مکھیاں، بڑے میاں کا واحد مشغلہ یہ تھا کہ کسی طرح

اپنی جوانی کے مظاہرے کریں اور ان کے یارانِ گمراہ کا یہ کام تھا کہ بڈھے کو بے دال کا

بودم بنا کر مزے اڑائیں اور اس کی ہوسناکیوں میں امداد کرتے رہیں۔ مختصر یہ کہ ہم بھی اپنے

پڑوسی میر صاحب کے اس بڈھبس کے تماشے کو رات دن دیکھا کرتے تھے اور اپنی بھی ہوئی

جوانی کے مقابلہ میں اس بڈھے کا قیامت آخریں شباب دیکھ دیکھ کر فطرت کی ستم ظریفیوں کی داد دیتے تھے۔ واللہ حال تو یہ تھا اس خبیث کا کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ ان حضرت کو اخلاقاً ایک چانٹا بھی رسید کر دیتا تو یہ خلد آشیاں ہو جاتے مگر اس کس بل پر آپ کے حوصلے یہ تھے کہ تمام دنیا کی حسین عورتوں سے اپنا داحد سکرڈا ہوا دل لگا سکتے تھے اور آپ کو ہمیشہ یہی خبط رہتا تھا کہ عورت آپ کے فراق میں ایڑیاں رگڑ رہی ہوگی اور فلاں مسماۃ اب خودکشی کرنے ہی والی ہیں اور فلاں مشہور طوائف آپ پر بُری طرح مٹی ہوئی ہے گویا آپ کا بڑھاپا کیا تھا طبقۂ نسواں کی موت تھا اور آپ کی ذات گرامی غریب عورتوں کے لئے طاعونی چوہے کی حیثیت رکھتی تھی۔

ہم کو پہلے تو اس بڈھے کی صورت سے عرصہ تک سخت نفرت رہی اس کے بعد جب ان حضرت کے متعدد دلچسپ واقعات سنے تو کچھ دلچسپی سی پیدا ہوگئی اور آخرکار جب ان حضرت نے ہم کو بار بار اپنی محفل رندانہ میں مدعو کیا تو ہم بھی اس چراغ سحری کے جھلملانے کا تماشہ دیکھنے کے لئے آنے جانے لگے یہاں تک کہ میر صاحب ہم سے اور ہم میر صاحب سے ایک حد تک بے تکلف ہو گئے یعنی اب میر صاحب کو ہمارے سامنے اپنے مستِ شباب کے مظاہرے میں کوئی جھجک باقی نہ رہی اور ہم نے بھی اس بوالہوس خرانٹ کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھنے کے لئے ہر بات میں اسی کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کر دی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حضرت ہمارے لنگوٹیا یار بن گئے اور اب شروع ہوگئیں ان کی رنگینیاں۔

میر صاحب کے در دولت پر ہمیشہ ایک آدھ طوائف یا کم سے کم طوائفوں کا کوئی نمائندہ ضرور موجود رہتا تھا اس لئے کہ میر صاحب کو اگر دنیا میں کسی چیز سے سب سے زیادہ دلچسپی تھی وہ چیز عورت تھی جس کے متعلق وہ ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے کہ مرد صرف اس لئے پیدا

ہوا ہے کہ وہ عورت سے دلچسپی لے اور عورت کا مقصد زندگی صرف یہ ہے کہ صرف مرد
سے دلچسپی لے۔ چنانچہ میر صاحب کے دربار کا رنگ بھی یہ ہوتا تھا کہ ایک طرف تو مسند پر
تکیہ لگائے میر صاحب گنڈلی مارے بیٹھے رہتے تھے ان کے مقابل ان کی دلچسپی کی چیز ہوتی
تھی اِدھر اُدھر میر صاحب کے وہ احباب ہوتے تھے جو میر صاحب کا گلا الگ کاٹتے
تھے اور میر صاحب کے یہاں آنے والی تمام طوائفوں سے کمیشن الگ طے تھا۔ جب سے ہماری
آمد و رفت شروع ہوئی تھی ہم کو میر صاحب اپنے ہی پاس مسند پر جگہ دیتے تھے۔ اس کے
بعد بس یہی ہوتا تھا کہ میر صاحب کے کرایہ کے ٹٹو یعنی وہی احباب مستقل طور پر میر صاحب کو
انسان سے اُلو بنانے میں مصروف ہیں۔ میر صاحب کی مرکز نظر صاحبہ اپنے فن شریف کے
کمالات صرف کرتی ہوئی میر صاحب سے عشق فرما رہی ہیں اور میر صاحب ہیں کہ اُن پر ایک
محویت طاری ہے اپنے مردانہ حسن پر پھولے نہیں سماتے، اپنے شباب، پھٹ پڑنے والے
شباب کے نشہ میں چور چور ہو رہے ہیں اور اپنے نزدیک ان بی صاحبہ کو بالکل ہی موت کے
گھاٹ اُتار دیتے ہیں ادھر ہم اس دلچسپ ڈرامہ کو دیکھنے میں ہمہ تن مصروف ہیں البتہ
جب کبھی میر صاحب کچھ پوچھتے ہیں تو ہم بھی بول دیتے ہیں ورنہ کچھ نہیں۔

آج میر صاحب کے یہاں گلاب نامی ایک مسماۃ کا بہت دور دورہ تھا اس لئے
کہ گلاب واقعی حسین تھی اور حُسن کے علاوہ عمر بھی ایسی تھی کہ اگر سارداایکٹ کے تحت مقدمہ چلا دیا
جاتا تو مسماۃ گلاب کی والدہ کے ساتھ میر صاحب کو جیل میں چند روز دل بہلانا پڑتا
لیکن ان دونوں خصوصیات کے علاوہ اس عورت میں اپنے فن کے ایسے ایسے کمال موجود
تھے کہ واللہ ہم تو ہمیشہ اس ہر فن مولا عورت کی ذہانت اور نفسیاتی مہارت کو دیکھ کر ششدر
رہ جاتے تھے اور ہم کو افسوس ہوتا تھا کہ اس کمبخت نے ایک ذلیل پیشہ اختیار کر کے

اپنے کو ڈبو دیا ورنہ اس میں اس کی پوری صلاحیت تھی کہ یہ تعلیم حاصل کرتی اور اس کے بعد اگر وکالت کرتی تو اپنا آپ ہی جواب ہوتی عدالت کرتی تو اس کی دھوم ہو جاتی ادارت کرتی تو خود ہم بغلیں جھانکنے لگتے۔ شاعری کرتی تو اچھے اچھوں سے اچھا کہتی مختصر یہ کہ وہ جو کچھ کرتی انتہائی کامیابی کے ساتھ کرتی چنانچہ اب وہ طوائف تھی اور فن کے اعتبار سے ایک کامیاب طوائف۔

جس روز ہمارے سامنے بی گلاب پہلی مرتبہ میر صاحب کے یہاں تشریف لائیں اور میر صاحب نے ہم سے ان کا تعارف کرایا اسی روز ایک طرف تو ہم میر صاحب اور گلاب کا تناسب دیکھ کر اس کے منتظر تھے کہ کب گلاب کے منھ سے بے ساختگی کے ساتھ "نانا ابا" نکلتا ہے اور کب میر صاحب انتہائی شفقت سے "بیٹا گلاب" کہتے ہیں۔ اور دوسری طرف ہم کو یہ دیکھ کر استعجاب تھا کہ یہ کمسن لونڈیا اس بڈھے گدھ کو اس صفائی کے ساتھ اُلّو بنانے میں مصروف تھی کہ گویا اس نے یہ فن ماں کے پیٹ ہی میں سیکھا ہے۔ اور میر صاحب اس بے تکلفی کے ساتھ اُلّو بن رہے تھے کہ گویا ؎

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

گلاب کے آتے ہی میر صاحب نے ایک خاص انداز سے اپنا بلغم سے جکڑا ہوا گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "آج چاند کدھر سے نکلا ہے" گلاب نے بجائے ہنسی کے نہایت سنجیدگی کے ساتھ بلکہ کچھ برہمی کے ساتھ کہا۔ "جی ہاں آپ کو تعجب ہوگا کہ یہ زندہ کیسے آگئی"۔

میر صاحب نے "توبہ" کہنے کے انداز سے اپنے لبوں پر انگشت شہادت رکھتے ہوئے کہا۔ "اے خدا نخواستہ یہ کیسی باتیں"۔

گلاب نے کہا۔ "تین چار دن پلنگ پر سے ہل نہ سکی مگر آپ سے یہ بھی نہ ہوا کہ ذرا صورت ہی دکھا جاتے کہ کچھ تسکین ہوتی ایک تو بخار، دوسرے طالبِ دیدار"۔

میر صاحب نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ "ایں۔ کیا کہا۔"

گلاب نے پھر باآوازِ بلند وہی فقرے دہرائے اور گلاب کے بعد ہی ننھو خاں (میر صاحب کے دسترخوان کی ایک مکھی) نے کہا۔ "جی ہاں یہ بیچاری تو اب کی مرتبہ بڑی طرح بخار میں پھنسیں کل میں گیا تو بخار کی شدت میں کچھ بک رہی تھیں۔"

میر صاحب نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "مگر تمہارے سرِ عزیز کی قسم جو میرے فرشتوں کو بھی خبر ہو نہ مجھ سے ننھو خاں نے کہا۔ اور آخر یہ بخار تھا کیسا ؟"

گلاب نے آنکھیں پھیر کر کہا۔ "یہ اپنے دل سے پوچھئے کہ کیسا بخار تھا میں نے تو رات کو بس یہی خواب میں دیکھا ہے کہ جیسے آپ مجھ کو اپنے ہاتھوں سے ڈھکیل رہے ہیں اور میں آپ کے قدموں پر جھک رہی ہوں کہ آپ ایک دم سے مجھ کو روتا چھوڑ کر چلے گئے اور آپ کے ساتھ وہی بنارس والی ہیرا ہے۔ بس اسی وقت سے میری آنکھ کھل گئی اور بخار ہوگیا۔"

میر صاحب نے دل ہی دل میں خوش ہو کر مصنوعی تعجب سے کہا۔ "اماں واللہ۔ یعنی قسم ہے تمھیں میری جان کی سچ کہہ رہی ہو۔"

گلاب نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "میر صاحب آپ میری جگہ ہوتے اور میں آپ کی جگہ تو میں بھی آپ سے پوچھتی کہ کیا یہ سچ کہہ رہے ہیں۔"

میر صاحب نے اور بھی زیادہ خوش ہو کر کہا۔ "اور یہ ٹھنڈی سانس کیسی گلاب نے پھر ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

عشق کی چوٹ چل ہی جاتی ہے　　آہ دل سے نکل ہی جاتی ہے

میر صاحب اب تقریباً اُتو بن چکے تھے صرف گُگھُگھو گھو بولنے کی کسر تھی آخر اپنا متزلزل ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔" اب تو طبیعت اچھی ہے لانا ذرا نبض اور نسخہ کس کا پیارہ ؟"

گلاب نے اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔" مجھ کو کسی کے نسخہ کی کیا ضرورت میرا یہ نسخہ کیا کسی سے کچھ کم ہے ہے

خوب روئے فراق میں اے دل
کچھ طبیعت سنبھل ہی جاتی ہے

اب تو میر صاحب کا یہ حال تھا کہ ریشہ خطمی ہوئے جاتے تھے مگر اپنی شان محبوبیت کو بھی ہاتھ سے دینا نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا گلاب کے ساتھ وہی طرز عمل اپنے نزدیک فرما رہے تھے جو مطلوب کو طالب سے برتنا چاہئے اور اِدھر گلاب اپنے فن کی مہارت دکھانے کے لئے ان کو اور بھی اس غلط فہمی میں مبتلا کئے ہوئے تھی بلکہ اُن کی محبوبیت بر ہر تصدیق ثبت کر رہی تھی اس کے علاوہ میر صاحب کے احباب میر صاحب کو چوپٹ کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھے مگر ہم تو اسی استعجاب میں تھے کہ آخر اس ٹانگ برابر کی چھوکری کو یہ گن اس عمر میں کیونکر آگئے ایک طرف تو ہماری نظریں اس کے دل کا جائزہ لیتی تھیں جہاں سے میر صاحب کو دیکھ دیکھ کر اس کو سخت متلی ہو رہی ہو گی۔ اور دوسری طرف اس کی یہ اداکاری .... واللہ عقل دنگ تھی بہرحال جب ہم نے میر صاحب کی حالت بہت زبوں دیکھی تو خود ہی خوبصورتی کے ساتھ وہاں سے ٹل گئے۔

دوسرا باب

میر صاحب کی رنگ رلیاں اور پیرانہ شباب کی سرمستیاں ماشاءاللہ روز بروز بڑھتی جاتی تھیں اور کیوں نہ بڑھتیں جب اللہ رکھے ان کو بیوقوف بنانے والوں کی کوئی کمی نہ تھی ایک طرف تو آپ پر جان دینے والیوں کی فوجِ ظفر موج تھی اور دوسری طرف آپ کو غیر محسوس طور پر چند بنانے والے مصاحبوں کی جماعت تھی مختصر یہ کہ اُن کے دولت کدہ پر ہر وقت اندر کے اکھاڑے کا منظر رہتا تھا اور میر صاحب واقعی اپنے وقت کے راجہ اندر تھے فرق صرف اس قدر تھا کہ وہ اندر جوانی میں پریوں کے پرے لگاتا تھا اور یہ اندر قبر میں پیر لٹکا کر اس ہوسناکی میں مبتلا تھا۔ اب ہم بھی اس صحبت میں اس حد تک بے تکلف ہو چکے تھے کہ میر صاحب کے مصاحبین کے علاوہ ان رنگین تیتریوں سے بھی واقف ہو چکے تھے جو محض چاندی کے ٹکڑوں کے لئے بجائے شاداب پھولوں پر بیٹھ کر ان کا رس چوسنے کے اس سوکھے ہوئے کانٹے پر شوق سے بیٹھی ہوئی نظر آتی تھیں اور اپنی رنگین اور حسین جوانیوں کو محض روپیہ کی طلب میں میر صاحب کے ساتھ بے کیف بنائے ہوئے تھیں۔ مگر واللہ تجارت اس کو کہتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ میر صاحب کے جسم سے مردے کی بدبو آنے لگی تھی اور خود میر صاحب بنفسِ نفیس ٹوٹی ہوئی قبر سے بہت زیادہ مشابہ ہو گئے تھے۔ مگر یہ حسن اور عصمت کی تاجرات میر صاحب کو سولہ آنہ اس غلط فہمی میں مبتلا کئے ہوئے تھیں کہ جو دلکشی میر صاحب میں ہے وہ کسی کڑیل

سے کرٹیل جوان میں نہیں ہو سکتی اور جو مستانہ شباب میر صاحب کو قسمت سے ملا ہے۔ وہ

دراصل اس زمانہ میں ہوتا ہی نہیں۔

میر صاحب کے یہاں کی آمدورفت اور اُن کی بے تکلّف صحبت کی نشست وبرخاست

کا یہ فیض تھا کہ میر صاحب کی تمام صنف نازک کے طبقہ کی دولت بھی ہماری نہ صرف

شناسا بن چکی تھیں بلکہ میر صاحب نے ان کی خدمت میں اس خاکسار کو گستاخ بھی

بنا دیا تھا چنانچہ اب میر صاحب کو بغیر اس کے لطف ہی نہ آتا تھا کہ جب اُن کے یہاں

اس قسم کی کوئی محفل گرم ہو وہ ہم کو نہ بلوائیں اور ہمارے سامنے جبتک راز و نیاز

کے قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ ہو وہ مطمئن نہ ہوتے تھے۔ غالبًا اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ

میر صاحب اپنی کشش اپنی دلکشی اور اپنی جاذبیت کا سکہ ہم پر جما کر یہ ظاہر کرسکیں

کہ۔ ع

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

دوسری طرف لطف یہ تھا کہ ہم نے محض ایک تماشائی کی حیثیت سے میر صاحب کی صحبت

کا پورا لطف اٹھانے کے لئے میر صاحب پر جان دینے والیوں کا بھی پورا اعتماد

حاصل کرلیا تھا اور وہ سب ہم کو اپنا رازدار سمجھ کر بعض اوقات میر صاحب کے تعلقات

کے سلسلے میں بالکل بے نقاب ہو جایا کرتی تھیں دراصل لطف تو اسی وقت آتا تھا جب

میر صاحب کی یہ عاشق عورتیں ہم کو اپنا رازدار سمجھ کر میر صاحب کے متعلق اپنے اصلی

خیالات ظاہر کرنے پر تُل جاتی تھیں اس کے علاوہ میر صاحب کے سامنے بھی اب سب

کا جو کچھ جی چاہتا تھا کہتی تھیں اس لئے کہ وہ بیچارے تو تھے بہرے اور ان کے علاوہ باقی

سب گویا ان کو چغد بنانے کی تحریک میں متفق تھے یہانتک کہ ہم بھی اسی میں خوش تھے کہ

میر صاحب جس قدر زیادہ اُلّو بنائے جائیں اسی قدر اچھا ہے چنانچہ میر صاحب کے منھ پر نہایت خوبصورتی سے بالاعلان ان کو بیوقوف بنایا جاتا تھا اور وہ اسی میں خوش تھے۔

ایک روز اتفاق سے میر صاحب کے یہاں گلاب اور اس کی بظاہر رقیبہ بنارس والی ہیرا دونوں یکجا ہوگئیں اور خود میر صاحب مادالّلحم تیار کرانے میں ایسے مصروف تھے کہ وہ گھر سے باہر نہ آئے تھے لہٰذا اُن کی عدم موجودگی میں ہیرا نے آتے ہی گلاب سے کہا۔

"کہو گلاب تمھارا بڈھا بلبل کہاں ہے؟"

ہنّو خاں نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "بھئی واللہ اپنے سر کی قسم بڈھے بلبل کی بھی ایک ہی رہی۔"

اُستاد مجّن بولے"۔ اجی بڈھا بلبل کیوں کہو کونے کا گدھ کہو کونے کا گدھ"۔

گلاب نے ناک بھوں چڑھا کر کہا۔" لوّ ہے موا کھونسٹ ان بوا ہیرا پر اور پوچھ رہی ہیں مجھ سے (ہم کو مخاطب کرکے) کیوں صاحب دیکھتے ہیں آپ اس بڈھے کی جوان بڑھیا کو۔"

ہم نے کہا۔" واللہ اس شخص کی عقل ماری گئی ہے کہ آپ لوگوں کے ہاتھوں اپنے کو ایسا بیوقوف بنائے ہوئے ہے یہ آپ کا سنِ شریف دیکھیے اور یہ شوق ملاحظہ فرمایئے"

گلاب نے کہا۔" اے آپ کو ہمارے سر کی قسم ذرا ہیرا سے کہیئے کہ وہ میر صاحب کے حقّہ پینے کی نقل کردے ایسی نقل اُتاری ہے کہ واللہ کمال کر دیا ہے۔"

ہیرا نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔" واہ بہن واہ نقل اتارو تم اور نام میرا۔"

اُستاد مجّن بولے۔" نہیں ہیرا تم جھوٹ بول رہی ہو نقل تو تم ہی نے اتاری ہے میں خود دیکھ چکا ہوں۔ ہاں ذرا آپ کو بھی نقل دکھا دو۔"

ہیرا نے تھوڑے بہت عذر کے بعد ایک مرتبہ مجھ سے چشمہ مانگ کر بالکل میر صاحب کی طرح لگایا اور اسی طرح چندھی آنکھ بنا کر گاؤ سے لگ کر کوٹ نکال لیا اور حقہ کی نے منھ میں لیکر اسی طرح منھ چڑھا کر کش لینا شروع کر دئے جس طرح میر صاحب کش لیتے ہیں اس کے بعد نقل کا کمال یہ تھا کہ اس شریر عورت نے اسی طرح کھانسنا شروع کر دیا جس طرح میر صاحب دمہ کی کھانسی کھانستے ہیں اس منظر پر تمام حاضرین ہنسی کے مارے لوٹ گئے۔

اور ابھی ہنسی کا یہ طوفان برپا ہی تھا کہ نوکر نے چپکے سے آ کر کہا "میاں آ رہے ہیں"۔

اس اطلاع کے بعد ہی محفل کا رنگ بالکل بدل گیا ہیرا ایک طرف منھ پھلا کر بیٹھ رہیں اور گلاب ایک طرف تیوری پر بل ڈال کر بیٹھ گئیں باقی سب لوگ بھی ترتیب سے بیٹھ گئے۔ میر صاحب نے آج اپنے ہلتے ہوئے سر پر اور مونچھوں پر نہایت سخت قسم کا خضاب لگایا تھا اور داڑھی پر بھی کولتار کی پالش کی گئی تھی۔ میر صاحب کے آتے ہی گلاب نے دوسری طرف منھ پھیر کر کہا "ڈبل میں آپ ہی آپ" ہیرا نے ترکی بہ ترکی زیر لب کہا "چٹکی کا لنگور ہے"۔ اور میر صاحب نے بالکل قریب آ کر آنکھیں پھاڑ کر مجمع کو دیکھتے ہوئے کہا "یہ کون ہیں ننھی ہ؟"

ننھو خاں نے کہا "جی نہیں یہ تو ہیرا ہیں"۔

میر صاحب نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر سنتے ہوئے کہا "کون ہیرا؟ اخاہ" پھر دوسری طرف کچھوے کی طرح گردن گھما کر دیکھتے ہوئے کہا "یہ کون ہیں۔ اخاہ گلاب۔ بھئی واللہ آج ایک ہی وقت میں دونوں خوب آ گئیں"۔

ننھو خاں نے کہا "جی ہاں دونوں وقت مل رہے ہیں"۔

میر صاحب نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا "دونوں سخت بیمار ہیں؟ یہ کب سے؟"

بنّو خاں نے ہنستے ہوئے کہا "جی نہیں میں نے کہا دونوں وقت مل رہے ہیں۔"

میر صاحب نے رونے کا منھ بنا کر ہنستے ہوئے کہا۔ "کیا کہی ہے۔ یہ تو قرآن السعدین ہوا"

اُستاد مجن بولے "جی ہاں مگر یہاں تو سوتیا ڈاہ ہو رہا ہے دونوں اپنی اپنی طرف کھنچی ہوئی ہیں۔"

میر صاحب نے ہماری طرف خاصدان بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کیا مصیبت ہے واللہ ان کو منایا جائے تو وہ خفا ان کو منایا جائے تو یہ خفا، یہ دونوں آپس میں مل کر رہتی ہی نہیں ہیں۔"

ہم نے کہا۔ "رشتہ بھی تو ایسا ہی ہے۔"

گلاب نے میر صاحب کا شانہ ہلاتے ہوئے کہا۔ "سنئے ہوئیں آج اسی کے فیصلہ کے لئے آئی ہوں کہ اگر تمھارے دل میں میرے لئے جگہ نہیں ہے اور تم میری محبت کو ٹھکرانا ہی چاہتے ہو تو آج فیصلہ کر دو مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک نیام میں دو تلواریں رہیں اور ایک سلطنت پر دو بادشاہ حکومت کریں۔"

میر صاحب کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ ہیرا نے کہا۔ "میر صاحب آج آپ سچ سچ اس قصّہ کو پاک کر دیجئے یہ چوری چھپے والی بات ٹھیک نہیں کہ میرے سامنے میری ایسی اور ان کے سامنے ان کی ایسی میں خود یہ دو عملی برداشت نہیں کر سکتی چولھے میں جائے ایسا موا دل کمبخت کو پسلیاں چیر کے نکال لوں گی ؎

جس پہ نہیں ہے بس نہ ہو جس پہ ہے بس اسی پہ ہو
تم نہیں اختیار میں دل تو ہے اختیار میں

میر صاحب مراد آبادی حقہ کی طرح بیٹھے ہوئے سنتے رہے اور دل ہی دل میں خوش

ہوتے رہے کہ میں بھی کیا قتال عالم ہوں کہ میری محبت کے لئے دو حسین ترین عورتیں آپس میں لڑتی مرتی ہیں آخر تھوڑی دیر کے بعد آپ نے اس خاکسار کی طرف رخ کیا اور بولے

"فرمایئے حضت کہ میں اس قضیہ میں کیا کروں"۔

بجائے اس کے کہ ہم جواب دیتے گلاب نے کہا۔" اگر تمھاری سمجھ میں کچھ نہیں آتا تو تولہ بھر سنکھیا مجھ کو منگا دو اس لئے کہ میں اب زندہ رہ کر تو تم سے علٰحدہ ہو نہیں سکتی اور یہ بھی طے ہے کہ اپنے ہوتے ہوئے تم کو کسی اور کا دیکھ بھی نہیں سکتی"۔

میر صاحب نے کہا۔" بھائی سنو۔ تم دونوں میری دو آنکھیں ہو بتاؤ کہ میں کانا ہونا کیونکر گوارا کر لوں"۔

ہیرا نے زیر لب کہا۔" واہ بیٹا کیا بات کہی ہے"۔

گلاب کو بھی ہنسی آگئی مگر اس نے ہنسی پر غالب آکر کہا۔" اچھا تو اگر تم کو اپنی دونوں آنکھیں پیاری ہیں تو ایک آنکھ کی روشنی بن کر میں خود جاتی ہوں۔" یہ کہکر گلاب نے جوتا پہنا اور یہ جادہ جا میر صاحب نے گڑ بڑا کر حقہ چھوڑ دیا اور لاسہ لگے ہوئے کوّے کی طرح پھڑ پھڑا کر بولے۔" ارے سنو تو ——— اماں تو تمھیں ہماری قسم سُنو تو سہی۔

ہیرا نے جو یہ رنگ دیکھا تو وہ بھی کھڑی ہو کر بولی۔" اگر تم اپنی گلاب کے لئے ایسے ہی بے قرار ہو تو میں جاتی ہوں ان ہی کے آگے ناک رگڑو اور ان ہی کو خوش کر لو۔" یہ کہہ کر وہ بھی نو دو گیارہ ہو گئی اور میر صاحب ٹپ ٹپا کر رہ گئے۔ گلاب اور ہیرا تو باہر جا کر ہنستی ہوئی ایک ہی تانگہ پر روانہ ہو گئیں اور ادھر میر صاحب نے استاد مجنّ کو گلاب کے یہاں اور نبو خاں

کو ہیرا کے یہاں منانے کے لئے بھیج دیا۔ اور خود منہ لٹکا کر بیٹھ رہے ہم بھی تھوڑی
دیر بیٹھنے کے بعد گھر آ گئے۔

تیسرا باب

گلاب اور ہیرا تو بقول میر صاحب کے یوں ہی دل بہلانے کی چیزیں تھیں ان کے علاوہ میر صاحب ایک جگہ شادی کی کوشش بھی فرما رہے تھے اور ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھے کہ یہ شادی کسی طرح ہو جائے جس جگہ میر صاحب شادی کرنا چاہتے تھے وہ ان ہی کے ہم محلہ ایک شریف اوسط درجہ کی حیثیت کے آدمی کی لڑکی تھی اور اس کی عمر تیرہ اور چودہ سال کے درمیان تھی چھ سات سال پہلے تک یہ لڑکی میر صاحب کے سامنے بھی آتی تھی اور ان کو نانا میاں کہا کرتی تھی مگر اب میر صاحب چاہتے تھے کہ اس منھ بولی نواسی کو اپنے عقد میں لا کر نانا میاں کے درمیان ایک کھلا ہوا امتیاز قائم کر دیں۔ لڑکی کے باپ شیخ عنایت اللہ کو یوں تو میر صاحب پر بڑا اعتقاد تھا مگر ان کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کرنا گوارا نہ تھا چنانچہ جب سب سے پہلے میر صاحب نے شیخ عنایت اللہ سے اس نسبت کی سلسلہ جنبانی کرتے ہوئے یہ کہا۔ "آپ کو چاہئے کہ صاحبزادی کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں"۔ تو شیخ عنایت اللہ نے یہی جواب دیا تھا کہ "جیسی میری بچی ویسے ہی ثریا آپ کی لڑکی ہے آپ ہی کوئی فکر کریں" مگر جب میر صاحب نے خود اپنے کو غلامی میں پیش کیا تو شیخ عنایت اللہ دم بخود رہ گئے اور اس نسبت کو حقارت سے ٹھکراتے ہوئے صاف انکار کر دیا تھا۔ مگر اس کے بعد بھی میر صاحب تھے کہ ۔۔۔

کئے جاؤ کوشش میرے دوستو!

کے مصداق برابر کوشش کر رہے تھے اور ہر ایک سے سفارش کرتے رہتے تھے ہر مرتبہ منہ کی کھاتے تھے مگر اپنی حرکت سے باز نہ آتے تھے۔ ایک روز میر صاحب نے ہم سے بھی اس نسبت کا ذکر کیا اور قدموں پر سر رکھ دینے کے انداز سے ہماری خوشامد کی کہ آپ ہی شیخ صاحب کو سمجھا دیں مگر ہم اس سلسلہ میں میر صاحب سے اختلاف نہیں بلکہ نفرت رکھتے تھے لہٰذا ہم نے صاف صاف کہہ دیا کہ:۔

"اب آپ کی عمر شادی کی نہیں ہے اور اگر شادی کا شوق ہے تو اپنی عمر کی مناسبت سے شادی کیجیے"۔

میر صاحب نے ہمارے اس جواب پر ذرا ناک بھوں چڑھا کر کہا "اپنی عمر کا اور اپنی قوت کا مجھ کو زیادہ اندازہ ہے اسی طرح یہ بھی میں خود سمجھ سکتا ہوں کہ مجھ کو کس عمر کی عورت سے شادی کرنا چاہیے"۔

ہم نے کہا۔ "میر صاحب یہ تو سچ ہے مگر آپ خود غور فرمائیے کہ جس لڑکی سے آپ شادی کرنا چاہتے ہیں اس سے دراصل آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادہ کی شادی ہونا چاہیے یا آپ کے بڑے صاحبزادے کے بڑے لڑکے کی شادی اس سے ہو سکتی ہے کہ آپ کو کم سے کم یہ تو سوچنا چاہئے کہ دنیا کیا کہے گی"۔

میر صاحب نے پھر چیں بجبیں ہو کر کہا۔ "اجی چولھے میں گئی دنیا اور بھاڑ میں گئے صاحبزادے اور صاحبزادوں کے صاحبزادے مجھ کو دنیا کی پروا نہیں ہے اور یہ بھی میں خوب جانتا ہوں کہ ان سب صاحبزادوں اور صاحبزادوں کے صاحبزادوں سے زیادہ اللہ کے فضل سے مجھ میں قوت ہے۔ یہ لوگ تو نئی جوانی مانجھا ڈھیلا والوں میں ہیں بہر حال

آپ کو ان باتوں سے کیا تعلق آپ سے تو میں اتنا کہہ رہا ہوں کہ آپ خدا اور رسول کے لئے مجھ پر رحم کریں اور اس نسبت کو طے کر کے مجھ کو مرنے سے بچالیں اس لئے کہ یقین جانئے کہ اب میں بغیر ثریا کے زندہ نہیں رہ سکتا۔"

ہم کو اس خرانٹ کی اس بوالہوسی پر حیرت بھی تھی اور غصہ بھی آرہا تھا مگر ساتھ ہی ساتھ اس کا اصرار ہم کو مجبور بھی کئے دیتا تھا ہم اسی شش و پنج میں مبتلا تھے کہ میر صاحب نے پھر ہمارا ہاتھ اپنے مرتعش ہاتھوں میں لے کر نہایت فدویانہ انداز سے کہا۔ "آپ کو میرے سر کی قسم میرا ہی مردہ دیکھئے واللہ جو اس سلسلہ میں میری مدد نہ کیجئے۔ کیا آپ میرا اتنا سا بھی کام نہیں کر سکتے۔"

ہم کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ میر صاحب نے جلدی سے اپنی مصنوعی بتیسی کو کھٹاکھٹ لٹا کر کہنا شروع کیا:۔ "اب آپ سوائے ہاں یا نہ کے کچھ نہ کہیں خدا کے لئے مجھ کو مایوس نہ کیجئے میری آخری توقع آپ ہی سے ہے اور آپ کے اس احسان کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔"

بڈھا یہ کہہ ہی رہا تھا کہ بالکل الہامی طریقہ پر ہمارے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور ہم نے بمشکل اپنے کو قابو میں رکھتے ہوئے نہایت متانت سے کہا۔ "بہت اچھا جاؤں گا۔"

میر صاحب نے ہماری بلائیں لیتے ہوئے کہا۔" اے جزاک اللہ۔ خدا سلامت رکھے ع۔

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست

ہم نے کہا۔" بہتر ہے تو پھر کسی کو رہنمائی کے لئے ساتھ کیجئے۔"

میر صاحب نے فوراً خاصدان بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اجی رہنمائی کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے آپ تو یہ کیجئے کہ آج شام کو یا کل زیادہ سے زیادہ شیخ عنایت اللہ کو اپنے یہاں مدعو کر لیجئے اور دعوت ذرا پُرتکلف ہو۔ یہ لو بیس روپے کے نوٹ۔ ہاں تو اسی دعوت میں شیخ صاحب سے ذرا اثر انداز طریقہ پر یہ تحریک کرو اور ان کو یہ سمجھاؤ کہ لڑکی کے دن پھر جائیں گے عیش کرے گی عیش اور میں اس کے لئے تیار ہوں کہ جس قدر وہ کہیں جائداد لکھ دوں جس قدر وہ کہیں بینک میں جمع کر دوں مختصر یہ کہ خوب شیشہ میں اتارنا اور یہ شکار ہاتھ سے نہ جانے دینا۔"

ہم نے میر صاحب کو ہر طرح اطمینان دلاتے ہوئے مبلغ بیس روپے کے نوٹ اپنی جیب میں رکھے اور میر صاحب سے رخصت ہو کر گھر پر آئے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس احمق پڑوسی کی وجہ سے یہ پہلا مالی فائدہ تھا جو ہم کو پہونچا۔ آپ کہیں گے تم بھی بڑے کم ظرف ہو کہ پڑوسی کی اس حقیر رقم پر تم نے نیت بدل دی مگر ہم آپ کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ در اصل اس قسم کے اُلوؤں کو اُلو بنانا اور ان سے فائدہ اٹھانا ناجائز نہیں ہے بلکہ اگر غور کیجئے تو ثواب ہی ہوگا اس لئے کہ اگر یہ بیس روپے ہم نہ لے لیتے تو خدا جانے اور کہاں جاتے اور کس نامعقول طریقہ پر صرف میں آتے۔ ہمارے پاس آ کر کم سے کم یہ تو ہوا کہ اب ایک شریف آدمی کے کام آئیں گے اور بجائے کسی رنڈی کے ایک ہمارا ایسا شریف اس روپیہ کو اپنے صرف میں لائے گا اور اپنے دوستوں کو اسی روپیہ سے خوش کر سکے گا۔ چنانچہ آپ ملاحظہ فرمائیے کہ یہی روپیہ بجائے کسی رنڈی یا میر شکار کے پاس جا کر شراب خانہ میں پہونچنے کے پہلے تو ہماری جیب میں پہونچا اس کے بعد ایک روپیہ تو ہم نے شیخ عنایت اللہ

کی چائے کی دعوت کے لئے رکھا باقی اُنیس روپے میں اپنے انیس احباب کی نہایت پُرتکلف دعوت دیدی۔ جن میں کا ہر ایک میر صاحب کے بامراد ہونے اور ان کی حماقت کے پردان چڑھنے کی دل سے دعائیں دیتا تھا۔ ورنہ آپ خود غور کیجئے کہ صرف شیخ عنایت اللہ کی دعوت میں بیس روپے صرف کرنا اور یہ جانتے ہوئے صرف کرنا کہ صاحبزادی میر صاحب کو نہ مل سکیں گی اور اگر وہ تیار بھی ہو گئے تو ہم خود سمجھا بجھا کر ایک معصوم لڑکی کو زندہ درگور کرنے سے باز رکھیں گے۔ سوائے حماقت کے اور کیا تھا لہذا ہم نے صرف ایک روپیہ لگا کر شیخ عنایت اللہ صاحب کو ایک دن چائے پر مدعو کرلیا اور جب وہ تشریف لائے تو ہم نے ان سے صاف صاف کہدیا کہ جس دن سے ہم نے یہ سنا ہے کہ آپ نے اپنی صاحبزادی کا عقد میر صاحب کے ساتھ کرنے سے انکار کیا ہے اور میر صاحب کی دولت پر اپنی اولاد کو بھینٹ چڑھانے سے پرہیز کیا ہے اسی دن سے ایک ایسی عزت آپ کی میرے دل میں قائم ہو گئی ہے کہ میں آپ کے ایسے عالی ظرف آدمی سے نیاز حاصل کیے بغیر رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ لہذا تقریب ملاقات کے لئے یہ بہانہ نکالا ہے۔ حالانکہ یہ بھی سب میر صاحب کی جوتیوں کا طفیل ہے۔"

شیخ عنایت اللہ آدمی ہیں بڑے باقاعدہ مذاق قسم کے کہنے لگے کہ "آپ کو واللہ ذرا اس آثار قدیمہ کو دیکھئے تو سہی کہ میں نے تو ہمیشہ اس کو اپنا بزرگ سمجھا میری بیوی اس کو چچا میاں کہتی ہیں اس لئے اُن کے والد صاحب مرحوم سے اور اس کھنڈر سے بڑے گہرے تعلقات تھے چنانچہ اسی رشتہ سے میں بھی اس کو اپنا خسر سمجھتا رہا مگر اس مردود نے مجھ کو سچ مچ اپنا خسر بنانا چاہا اور میری لڑکی کے ساتھ جو اب تک اس

بے حیا کو نانا میاں کہتی ہے نسبت دیدی۔ سمجھتا یہ ہے کہ میں اس کی دولت پر لٹو ہو کر اپنی لڑکی کو اس ٹوٹی ہوئی قبر کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لئے زندہ در گور کردوں گا۔ حالانکہ میں روپیہ سے زیادہ ذلیل اور کسی چیز کو نہیں سمجھتا۔"

ہم نے کہا۔" مگر اس سے تو غالباً آپ کو انکار نہ ہوگا کہ ایسے اُلّو کو اُلّو بنانا بھی ثواب ہے۔ لہذا کیوں نہ ہم اور آپ دونوں یہ ثواب لوٹیں۔"

شیخ صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔" وہ کیسے ؟۔"

ہم نے کہا:" آپ یقین جانئے کہ ثریا میری بہن ہے اور آپ میرے بزرگ اسی رشتہ سے میں ذرا اس بڈھے سے اس کی گستاخی کا انتقام لینا چاہتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ آپ ذرا میری مدد کریں اور مدد کا طریقہ یہ ہے کہ آپ صاف انکار نہ کریں بلکہ ایسا جواب دیں کہ بڈھے کو امید پیدا ہو جائے اور وہ مایوس ہو کر بیٹھ رہنے کے بجائے اس امید میں ایڑیاں رگڑے اور ادھر یار لوگوں کا کچھ بھلا ہو۔"

شیخ صاحب نے کہا۔" نا صاحب یہ مجھ سے نہ ہوگا۔ یوں آپ کو مجھ پر اور ثریا پر ہر طرح کا حق حاصل ہے۔ آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔"

ہم نے کہا۔" شیخ صاحب اس خرانٹ سے انتقام لینے کا طریقہ صرف یہی ہے کہ اسکو امید و بیم کے دورا ہے پر مارا جائے اور اس کی وہ دولت جو چوک کی کم خرچ بالانشین جماعت میں تقسیم ہوتی ہے ہمارے دوستوں میں صرف ہو اس لئے کہ میں تو جناب اس کا قائل ہوں کہ بیوقوف کو بیوقوف بنانا ہر عقلمند کا پیدائشی حق ہے لہذا ہم کو آپ کو اپنے اس پیدائشی حق سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ چنانچہ آج میں اس کھوسٹ سے یہی کہوں گا کہ میں نے شیخ جی سے تمہاری سفارش کی وہ بہت چراغ پا ہوئے لیکن جب میں نے

ان کو بہت سمجھایا بجھایا تو انھوں نے صرف یہ کہا ہے کہ جبتک لڑکی انٹرنس نہ پاس کرلے جس کو تین سال ہیں اسوقت تک اس کی شادی کے مسئلہ پر غور ہی نہیں کیا جاسکتا اس کے بعد دیکھا جائے گا۔"

شیخ عنایت اللہ صاحب بالکل تمام اس مذاق کے لئے آمادہ ہوگئے اور اس کے بعد گویا ہم سے اور ان سے دوستی ہوگئی اور کیوں نہ ہوتی وہ تو عجیب بامذاق انسان ہیں خدا بھلا کرے ہمارے میر صاحب کا جن کی بدولت ہم کو شیخ عنایت اللہ کی خدمت میں نیاز حاصل ہوگیا۔

چوتھا باب

انسان سے بعض اوقات اس قسم کی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں کہ پھر ان کی تلافی نہیں ہو سکتی اور زندگی بھر کفِ افسوس ملنا پڑتے ہیں یہی حال آج ہمارا ہوا جب ہم نے شیخ عنایت اللہ صاحب کے یہاں سے واپس آکر میر صاحب کو یہ مژدہ سنایا کہ وہی شیخ صاحب جواب سے پہلے اس نسبت کا ذکر چھڑتے ہی شرات کا گھنگھرو بن جاتے تھے آج اس حد تک پسیج گئے ہیں کہ انھوں نے صاف الفاظ میں تو نہیں البتہ در پردہ یہ کہدیا کہ جب ثریا انٹرینس پاس کرلے گی اس وقت اگر میر صاحب نے اسی تحریک کو از سر نو شروع کیا تو گویا ان کو کوئی عذر نہ ہوگا۔ میر صاحب نے جس انداز کے ساتھ ان الفاظ کو سُنا ہے اس انداز کا تعلق دیکھنے سے تھا اور ہم کو دلی افسوس ہے کہ اگر آج ہم ذرا بھی مبالغہ سے کام لے کر میر صاحب سے اس امید افزا صورت کو ذرا نمک مرچ لگا کر بیان کرتے تو ان حضرت کا مارے خوشی کے آج ہی وصال ہو جاتا۔ اور ان کے خلد آشیاں ہونے میں ذرا بھی دیر نہ لگتی مگر افسوس کہ ہم نے میر صاحب کے عذاب سے دنیا کو نجات دلانے میں کوتاہی کی اور اس زریں موقع سے فائدہ اٹھانے میں بس ذرا سا چوک گئے ورنہ آج ہی قصہ پاک تھا پھر بھی میر صاحب نے یہ مژدہ سن کر جس مسرت کا اظہار کیا ہے وہ اگر موت نہیں تو موت کا ایک زینہ ضرور تھی یعنی سب سے پہلے تو آپ مارے خوشی کے چکرا کر بیٹھ گئے اس کے بعد وفورِ مسرت میں آنکھیں

پھاڑ دیں اور منہ غار کی طرح کھول دیا پھر یکایک پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان ہکلا ہکلا کر بھرّائی ہوئی آواز میں کچھ کہنے کی کوشش کی مگر جس طرح عالم نزع میں انسان مجبور ہو جاتا ہے اسی طرح گفتگو سے مجبور ہو گئے اور غالباً اسی حالت میں طائر روح قفس عنصری سے عالم بالا کی طرف پرواز بھی کر جاتا مگر وہ تو کہیے کہ عین موقع پر دمہ کا مرض آڑے آیا اور سخت قسم کی بلغمی کھانسی اٹھی جس سے تھوڑی دیر کے لیے میر صاحب کے خیالات شیخ عنایت اللہ صاحب کی صاحبزادی کی طرف سے منتقل ہو کر ڈاکٹر الیس۔ کے برمن کی دافع دمہ شیشی کی طرف مبذول ہو گئے اور اس دورہ کے بعد جب ان کے حواس بجا ہوئے تو انھوں نے بمشکل تمام اپنے کو سنبھالتے ہوئے کہا۔" ہاں بھائی تو پھر کیا ہوا۔

ہم نے کہا۔" اور کیا ہوتا کیا یہ کچھ کم ہے کہ ؎

لائے اس بُت کو التجا کر کے
کُفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

میر صاحب نے پھٹے ہوئے جوتے کی طرح اپنے مصنوعی دانت نکال کر ہنستے ہوئے کہا۔" ہاں ہاں یہ بہت کچھ ہوا اور واللہ یہ تم ہی ہو جس نے شیخ عنایت اللہ ایسے سنگدل کو رام کیا ہے۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ باتیں کیا کیا ہوئیں۔

ہم نے میر صاحب کا اشتیاق دیکھتے ہوئے کہا۔" باتیں واتیں کچھ نہیں وہی باتیں ہوئیں جو میں عرض کر چکا ہوں۔"

میر صاحب نے ہماری طرف کھسکتے ہوئے کھیسیں نکال کر کہا۔" میرا مطلب یہ کہ ذرا پھر تفصیل سے تمام باتیں بتائیے کہ کیا ہوا۔ مثلاً آپ نے دعوت دی تو اس کو

انھوں نے کیونکر قبول کیا۔"

ہم نے کہا۔" کیونکر دیونکر تو وہ خود جانتے ہوں گے ہیں تو بس یہ جانتا ہوں کہ میں نے ان کو دعوتی رقعہ بھیجا انھوں نے دعوت منظور کرلی اور تشریف لے آئے میں نے اسی موقع پر تمام باتیں کہیں اور انھوں نے تمام جوابات دئے۔"

میر صاحب نے جلدی جلدی گردن ہلا کر کہا۔" اوں ہونھ ——— آپ تو پھر جلدی جلدی گھاس کاٹ گئے میں چاہتا ہوں کہ آپ من وعن تمام واقعات بتائیں۔"

ہم نے کہا۔" اچھا اگر آپ تمام واقعات سننا چاہتے ہیں تو سنئے مگر مہربانی فرما کر برُا نہ مانئے گا اور اس بنے بنائے کھیل کو بگاڑ نہ دیجئے۔ شیخ صاحب کو جب میں نے بلایا تو انھوں نے تشریف لانے میں پس وپیش کیا لہٰذا میں خود ان کے درِ دولت پر حاضر ہوا اور اُن سے عرض کیا کہ جناب والا ہم اور آپ ایک محلہ میں رہتے ہیں مگر آپ نہ مجھ سے واقف نہیں آپ سے آخر اس قربت کے باوجود بُعد اور بیگانگی کے کیا معنی میرے اس کہنے پر شیخ صاحب نے رسمی عذر پیش کئے اور وعدہ کیا کہ اب ضرور ملتا رہوں گا مگر میں نے کہا کہ یوں نہیں بلکہ کل آپ، میرے ہی ساتھ ما حضر تناول فرمائیں شیخ صاحب نے بہت سے عذر کئے مگر میں نے ایک نہ سُنی اور اُن کو مجبور کر دیا کہ وہ دعوت قبول کرلیں چنانچہ انھوں نے دعوت منظور کی اور دوسرے روز دعوت میں تشریف لائے ———"

ہم اتنا کہہ کر دانستہ رک گئے اور ہمارے رکتے ہی میر صاحب نے نہایت اضطراب کے ساتھ کہا۔" جی ہاں تشریف لائے پھر ——— پھر کیا ہوا۔

ہم نے میر صاحب سے پھر ایک مرتبہ کہا۔" دیکھیے میر صاحب ہم آپ سے پھر کہتے ہیں کہ آپ اس ملاقات کی تفصیلات نہ پوچھیے ورنہ آپ کو خواہ مخواہ شیخ صاحب سے پیدا

ہو گی شکایت اور یہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔"

میر صاحب نے اگالدان میں منہ ڈال کر کہا۔" اُونہوں" اور پھر اگالدان سے منہ نکال کر کہا۔" آپ کو واللہ سب کہہ دیجئے۔ اس میں شکایت کی کون سی بات اس قسم کی باتوں میں شکایت کا کون سا موقع ہے جہاں نسبت دی جاتی ہے وہاں کی اُلٹی سیدھی سب ہی سننا پڑتی ہے۔"

ہم نے کہا۔" بہتر ہے اگر آپ اصرار کرتے ہیں تو سنئے کہ جیسے ہی شیخ صاحب تشریف لائے ہم نے ان کا نہایت ہی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا اور فوراً ہی ان کو دسترخوان پر لے گئے اس لئے کہ ان کو تشریف لانے میں ذرا دیر ہو گئی تھی۔ دسترخوان پر ہم نے یہ قصہ بھی چھیڑا ۔۔۔

میر صاحب نے بات کاٹ کر بدحواسی سے کہا:" ہاں کس عنوان سے چھیڑا۔؟"

ہم نے کہا:" ہم ان سے ان کے بچوں کے متعلق سوالات کئے اور جب انھوں نے اپنی جوان لڑکی کا تذکرہ کیا تو ہم نے ان سے پوچھا کہ وہی لڑکی جس کے ساتھ میر صاحب نے نسبت بھیجی تھی ؟۔"

میر صاحب نے خوشی سے اُچھل کر پوچھا۔" ہاں تو پھر شیخ صاحب کیا بولے؟"

ہم نے کہا۔" شیخ صاحب آپ کا نام سنتے ہی چراغ پا ہو گئے اور چھوٹتے ہی آپ کو نہایت مکروہ گالیاں دینے لگے کہئیے تو گالیوں کی بھی تشریح کردوں۔

میر صاحب نے جلدی سے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔" نہیں نہیں تشریح کی ضرورت نہیں وہ بزرگ ہیں اور باپ کے برابر بزرگ ہونے والے ہیں ان کی گالیاں سننا تو ہمارے لئے عین سعادت ہے۔ ہاں تو مجھ کو بُرا بھلا کہنے کے بعد پھر کیا کہا۔"

ہم نے کہا۔" کہنے لگے میر صاحب بڑا ہی خبیث ہے۔ دجّال ہے، اس کو کے۔
میر صاحب نے کہا۔" یعنی یہ سب کچھ کہا۔ خیر ان باتوں کے بعد کیا کہا حضرت
ہم کو لڑکی لینا نہ ہوتی تو بتاتے۔"
ہم نے کہا۔" ان کی گالیوں کا جواب میں تبسّم سے دیتا رہا اور اپنا ایسا انداز
کیا کہ گویا میں خود ان کی تائید میں ہوں یعنی جب انھوں نے آپ کو بڈھا گدھا
کہا اس وقت بھی میں نے تائید میں گردن ہلا دی اور جب انھوں نے آپ کی
غلامی میں خود اپنے کو پیش کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو بھی میں اس انداز سے ہنس
دیا کہ گویا کیا مضائقہ ہے بات یہ ہے کہ مجھ کو تو اسی انداز سے ان کو رام
کرنا تھا ———"۔
میر صاحب نے کہا:" ہاں ہاں یہ بھی مصلحت تھی آپ نے بہت اچھا طریقہ
اختیار کیا ———"۔
ہم نے کہا۔" اجی طریقہ تو میں نے وہ اختیار کیا ہے کہ یاد کریں گے شیخ جی یعنی
ان کو خوش کرنے کے لئے میں نے آپ کی شان میں گستاخیاں شروع کر دیں اور ان سے
میں نے کہا۔ (معاف کیجئے گا میر صاحب نقل کفر کفر نہ باشد) —"
میر صاحب نے ہنس کر کہا۔" ہاں ہاں فرمائیے آپ بھی کمال کرتے ہیں۔"
ہم نے کہا۔" ہاں تو میں نے اُن سے آپ کے متعلق کہا اجی شیخ صاحب آپ اس
موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں وہ کھونسٹ آپ کی صاحبزادی پر اگر لٹو ہوا ہے تو اس
کو مونڈنے کی کوشش کیجئے یعنی کچھ لکھا پڑھا کر اس بڈھے کو دامادی میں قبول کر لیجئے اس
کے بعد بقول آپ کے وہ خود ہی قبر میں پیر لٹکائے ہوئے ہے آج نہیں تو کل مر ہی

جائے گا۔ معاف کیجئے گا۔ (خدانخواستہ) اور جب وہ مرجائے تو آپ صاجزادی کا عقد ثانی تو پھر کہیں کر دیجئے گا۔"

میر صاحب نے ہمارے اس بیان پر معترض ہوئے بغیر کہا۔" ہاں تو کیا بولے۔"

ہم نے کہا۔" اجی کہا کیا اگر یہ نسبت نہ ہوتی تو سینہ پر چڑھ کر خون پی لیتا یعنی اس شیخ عنایت اللہ نے چھوٹتے ہی آپ کو حرامزادہ کہدیا مگر میں کرتا کیا موقع کچھ ایسا ہی تھا مجھ کو تائید کرنا پڑی اور اس کے بعد ہم نے ان سے کہا کہ حرامزادے کی دولت خدا جانے کس کے ہاتھ آئے اس لئے میں آپ کو بھی دوستانہ مشورہ دونگا کہ آپ اس کو اپنی دامادی میں ضرور قبول کرلیں ورنہ یہ شکار کوئی اور دبوچ لیگا۔"

میر صاحب نے جلدی سے کہا۔" پھر انھوں نے کیا کہا۔"

ہم نے کہا۔" شیخ صاحب تھوڑی دیر تک تو سر جھکائے کچھ سوچتے رہے اس کے بعد انھوں نے فرمایا کہ بھائی بات اصل میں یہ ہے کہ اوّل تو لڑکی ابھی ساتویں درجہ میں پڑھ رہی ہے اور میرا یہ قطعی ارادہ ہے کہ جبتک انٹرینس پاس نہ ہو اسوقت تک یہ ذکر ہی نہ چھڑنے دوں لہذا اس قصہ کو بھی اسی وقت کے لئے اٹھائے رکھتا ہوں۔ ہم نے ان سے کہا کہ آپ اسی وقت شادی کیجئے گا مگر نسبت اسی وقت طے کرنے میں کیا مضائقہ ہے مگر وہ برابر یہی کہتے رہے کہ میں تعلیم ختم ہونے سے قبل کچھ نہ کہوں گا۔ اس کے بعد میں نے آپ کی خوبیاں بیان کرنا شروع کیں کہ آپ کس طرح لڑکی سے محبت کریں گے اور کس طرح اپنی جائداد کا وارث اس کو بنائیں گے مختصر یہ کہ اب وہ نیم راضی ہیں لہذا آج آپ ان کو مٹھائی بھیجکر دیکھئے۔ میر صاحب نے فوراً مٹھائی لانے کا حکم دیا اور ہم گھر چلے آئے۔

پانچواں باب

ہم کو گھر آئے ہوئے مشکل سے ایک گھنٹہ گزرا ہو گا کہ میر صاحب کے یہاں سے آدمی پر آدمی بلانے کے لئے آنے لگے ہم جانتے تھے جس لئے ہم کو بلایا جا رہا تھا اور چونکہ معاملہ کچھ ایسا ہی تھا کہ سولہ آنے ہمارے ہی انگلیاں گھی میں تھیں اور شیخ عنایت اللہ کا سر کڑھائی میں لہذا ہم پہونچے میر صاحب کے یہاں۔ ہم کو دیکھتے ہی میر صاحب بولے "ارے بھائی وہ مٹھائی تیار ہے تمہارا ہی انتظار تھا کہ دیکھ لو اور بھجوا دو" یہ کہہ کر میر صاحب نے مٹھائی لانے کا حکم دیا اور اس حکم کے صادر ہوتے ہی مٹھائی کی چھ سات کشتیاں کامدار خوان پوشوں سے ڈھکی ہوئی ہمارے سامنے لگا دی گئیں ہم نے جو ان کشتیوں کا معائنہ کیا تو واللہ یہی دل چاہتا تھا کہ ہم ہی شیخ عنایت اللہ کی صاحبزادی ہوتے اور یہ مٹھائی اس اہتمام کے ساتھ ہمارے لئے بھیجی جاتی۔ تازہ تازہ امرتیاں گرم گرم خوشگوار اور معطر شیرہ میں نہائی ہوئی اس طرح رکھی ہوئی تھیں کہ ان کو دیکھ کر ہمارے منھ میں پانی بھر آیا اور ہمارے معدہ کو تو گویا ان حسین امرتیوں سے عشق ہی ہو گیا۔ دوسری کشتی میں گلاب جامنیں اور رس گلے یعنی مٹھائیوں میں ہماری مرغوب ترین مٹھائیاں اس طرح موجود تھیں کہ خوان پوش ہٹاتے ہی ہماری اور ہمارے معدہ کی روح خوش ہو گئی تیسرے خوان میں بنگالی مٹھائی "راش گلہ" اور "شام شم" تازہ تازہ گرم گرم اور بہت سے ۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس خوان میں میر صاحب

نے ہمارے معدہ اور ہماری زبان کے لئے صبر آزمائی کا پورا سامان جہیا کر دیا تھا اور بڑی دیر تک اس خوان کے مختلف مناظر میں کھوئے رہے کبھی شم شم کی بلیٹوں میں ہماری نظر اُلجھی رہی اور کبھی رَس گلوں سے ہم نظروں ہی نظروں میں کلوخ اندازی کرتے رہے اور بمشکل تمام باحسرت و یاس اس خوان کو اپنے سامنے سے ہٹایا چوتھے خوان میں کچھ ہار اور کچھ پھول تھے۔ پانچویں میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ معطر قسم کی چاندی بچھی ہوئی ہے برفی کے کیوڑے میں بسے ہوئے ٹکڑے ورق نقرہ کے اس قدر دیدہ زیب اور اس قدر شامہ نواز اور اس قدر معدہ نواز تھے کہ ان کو دیکھ کر خواہ مخواہ بھوک کی شکایت اچھے بھلے انسان کو پیدا ہو جائے۔ اسی طرح باقی کشتیوں میں سے کسی میں بالوشاہی تھی تو کسی میں ملائی کے لڈو اور ملائی کی گلوریاں مختصر یہ کہ میر صاحب نے ہمارے سامنے حلوائی کی ایسی دکان لگا دی تھی کہ ہم خوشبو سونگھتے سونگھتے گویا ڈکاریں لینے لگے۔ میر صاحب نے داد طلب انداز میں پوچھا۔

"کہئیے ٹھیک ہے نا غریبا مئو یہ سب"۔

ہم نے کہا۔" غریبا مئو کی بھی ایک ہی رہی اجی حضرت یہ تو بالا مئو اور گویا مئو یعنی امیرا مئو معلوم ہوتا ہے۔"

خوش ہو کر بولے"۔ تو پھر اب بسم اللہ کر کے بھیجا جائے اس کو؟۔"

ہم نے کہا۔" مگر ایک بات ہے میر صاحب۔"

کچھ ہکا بکا ہو کر بولے ۔" وہ کیا یعنی وہ کیا۔؟"

ہم نے کہا۔" بات یہ ہے کہ مٹھائی اسوقت بھیجی جاتی ہے جب نسبت طے ہو جائے لہذا ضرورت اس کی ہے کہ یہ مٹھائی کسی تقریب کے بہانے سے بھیجی جائے"۔

گردن جھکا کر اوٹی کہنے کے انداز سے ناک کے نیچے انگلی رکھ کر بولے "ہوں ـــــ مگر تقریب بھی تم ہی کوئی گڑھو۔

ہم نے غور کر کے کہا "مثلاً آپ کی سالگرہ ـــــ یہ کہلوایا جائے کہ میر صاحب کی سالگرہ تھی اس کی مٹھائی"۔

اپنا غار نما منہ کھول کر ہنستے ہوئے بولے "بھئی واللہ سالگرہ کی بھی ایک ہی رہی یہ کہو کہ یہ ثریا کی محبت کی سالگرہ ہے ـــــ خیر سالگرہ ہی کہلوا دو۔"

ہم نے شیخ عنایت اللہ کو اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ کل آپ کے جاتے ہی میر صاحب قبلہ کی سالگرہ اتفاق سے واقع ہو گئی لہٰذا اس کی مٹھائی ارسال خدمت ہے امید ہے کہ آپ قبول فرمائیں گے۔ اور اس خاکسار کو کبھی نہ بھولیں گے خصوصاً اس قسم کے خوش گوار مواقع پر۔ اس خط کے ہمراہ ہم نے شیخ صاحب کو مٹھائی بھجوا دی اور خود اس انتظار میں اپنے گھر آ کر بیٹھ رہے کہ اب شیخ عنایت اللہ اس تجارت میں ہم کو اپنا حصہ دار سمجھ کر اس مٹھائی سے ہم کو بھی ضرور سرفراز فرمائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ تھوڑی ہی دیر میں شیخ صاحب کے یہاں سے مٹھائی کی رسید آ گئی جس میں شیخ صاحب نے ہم کو میر صاحب کی مبارکباد دیتے ہوئے مٹھائی کا شکریہ ادا کیا تھا اور لکھا تھا کہ میں بھلا آپ کو بھول سکتا ہوں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ ہم نے یہ رقعہ تو میر صاحب کو بھجوا دیا اور خود شیخ صاحب کے انتظار میں اپنے ہی گھر بیٹھے رہے تھوڑی ہی دیر میں شیخ صاحب اپنے ساتھ مٹھائی لئے ہوئے تشریف لائے اور ہم کو دیکھتے ہی ہنستے ہوئے بولے۔

"بھئی واللہ ہو غضب کے آدمی یہ میر صاحب کی سالگرہ تھی یا عقیقہ اس لئے کہ تم نے پہلے ہی دن اس بڑھے خبیث کو خوب مونڈا۔"

ہم نے کہا۔" شیخ صاحب۔ آگے آگے دیکھئے ملتا ہے کیا۔"

شیخ صاحب نے ہمارے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔" واللہ یہ تو آپ کی خاطر ہے کہ اس قابل نفرت بڈھے سے اس قسم کے مذاق کو گوارا کئے ہوئے ہوں ورنہ یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ اس کو کسی حیثیت سے مخاطب کیا جائے مجھ کو تو اس کے نام سے نفرت ہے۔"

ہم نے کہا۔" مگر شیخ جی اس سے تو غالبًا آپ کو انکار نہ ہوگا کہ میر صاحب سے نفرت کے معنی ہرگز یہ نہیں ہو سکتے کہ مٹھائی سے بھی نفرت ہو جائے۔ آپ کو میر صاحب سے کیا مطلب آپ کو تو مٹھائی سے مطلب ہے بس اسی سے مطلب رکھئے اور ذرا اس قصہ کو چلنے دیجئے واللہ بیوقوف کو بیوقوف بنانا ثواب ہے اور ایسے بنے بنائے بیوقوف بخدا قسمت ہی سے ملتے ہیں۔"

شیخ صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔" آپ نے خوب اس کھوسٹ کو شیشہ میں اُتارا ہوگا"

ہم نے کہا۔" واللہ جتنی گالیاں خود میرا دل چاہتا تھا کہ اس کو دوں وہ سب میں نے آپ کا نام لے کر دیدیں اور وہ کمبخت ہر گالی پر ایسا خوش ہوتا تھا گویا سرکاری خطاب ہے حد تو یہ ہے کہ میں نے آپ کا نام لے کر اس کو حرامزادہ تک کہدیا۔ اور وہ اسی میں خوش تھا۔"

شیخ صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا۔" حرامزادہ آپ نے خوب کہا اور یہ بھی اچھا کیا کہ میرا نام لے کر کہا۔ واللہ مجھ کو اب اطمینان ہوگیا کہ خود میں تے نہ سہی مگر میری طرف سے آپ نے اس کو وہ سب کچھ کہدیا جو خود میں کہنا چاہتا تھا۔ اور جس کے کہنے کا مجھ کو ارمان تھا۔"

ہم نے کہا۔" ابھی دیکھتے جائیے کہ آپ کے کون کون سے ارمان میں پورے کرتا ہوں واللہ حیرت ہوتی ہے کہ میری ہر گالی پر جو میں آپ کی طرف سے اس کو دیتا تھا وہ ایسا خوش ہوتا تھا گویا واقعی اس کو خطاب مل گیا ہے حالانکہ میں نے آپ کی طرف سے نہ کوئی وعدہ کیا اور نہ کوئی خاص امید دلائی اور نہ میں نے قطعی جھوٹ بولا کہ میں نے صرف یہ کہا کہ شیخ صاحب اپنی صاحبزادی کی شادی کے متعلق اس وقت کچھ سننے کو تیار نہیں ہیں جبتک کہ وہ انٹرینس پاس نہ ہو جائے اور انٹرینس پاس ہونے کو ابھی تین سال باقی ہیں۔"

شیخ صاحب نے فرمایا۔ مگر جناب اب وہ تین سال تک تو خیر بقول آپ کے بیوقوف بنے گا اور اس کے بعد پھر میرا سر کھائے گا۔"

ہم نے کہا۔" شیخ صاحب تعجب ہے کہ آپ ایسے جہاندیدہ۔ سنجیدہ اور فہمیدہ ہو کر ایسی بات کہہ رہے ہیں کہ یہ بڑھا تین سال کے بعد آپ کا سر کھائے گا حالانکہ اتنے دنوں اس کا زندہ رہنا کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے تین سال کے بعد وہ آپ کا سر کیا کھائے گا خود اسی کا سر قبر میں کیڑے کھا رہے ہوں گے۔"

شیخ صاحب نے ہنسی کے مارے بل کھاتے ہوئے کہا۔" واللہ یہ بھی آپ نے غضب کہا مگر یہ واضح رہے کہ یہ بڈھا اب مرے گا نہیں۔ خود اس کو تو دیکھئے کہ اپنی زندگی کا کس قدر یقین ہے کہ آپ نے تین سال کا ایک جھولا دیا تو وہ حضرت اسی میں خوش ہیں کہ تین سال کے بعد وہ نہ صرف زندہ رہیں گے بلکہ اس قابل بھی ہوں گے کہ شادی کر سکیں۔"

ہم نے کہا۔" واقعی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے دماغ کا کون سا پرزہ خراب ہو گیا ہے۔"

شیخ صاحب نے کہا۔" واقعی پہلے یہ ایسا نہ تھا بلکہ میرے گھر میں کہتی ہیں کہ پہلے تو یہ ایک باوضع رئیس اور ایک نیک بزرگ سمجھا جاتا تھا مگر اب تو جیسے اس میں شیطان

سما گیا ہے۔"

بھنے۔ شیخ صاحب کے یہاں سے آئی ہوئی مٹھائی کی کشتیاں کھولتے ہوئے کہا۔" آیئے خیر اس کو تو وصول کریں۔ یہ مال غنیمت ہے اور اس کو کھانا اس حیثیت سے کار ثواب ہے کہ اگر یہ ہم لوگ اس ترکیب سے نہ وصول کرتے تو یہی رقم جو اس مد میں صرف ہوئی ہو کسی نہ کسی رنڈی کے لئے شراب منگانے یا کسی سازندے کے لئے تاڑی یا ٹھرا منگانے میں صرف ہوتی۔"

شیخ صاحب نے ایک رس گلہ منھ میں رکھتے ہوئے کہا۔" بیشک صحیح فرماتے ہیں آپ۔"

ہم نے کہا۔" اب آپ دیکھیئے گا کہ میں اسی بہانہ سے اس تین سال کے اندر میر صاحب کے یہاں سے رنڈیوں کو کب چھو منتر کرتا ہوں کیا یہ ثواب کا کام نہ ہوگا۔ انشاءاللہ اگر اسی بہانہ سے میر صاحب کو بوالہوسی کا کوئی علاج مجھ سے ہو رہا تو میں سمجھوں گا کہ میں نے اپنی محنت کا پھل پالیا۔"

شیخ صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔" تو یہ کہیئے کہ اس کو اس بڑھاپے میں آپ کا ایسا شفیق باپ ملا ہے اور آپ نے اس جوانی میں ایک کھونسٹ فرزند پایا ہے۔"

ہم نے ہنس کر گلاب جامن اُٹھاتے ہوئے کہا۔" بھلا میں کس قابل ہوں۔"

چھٹا باب

شیخ صاحب کا مٹھائی قبول کر لینا میر صاحب کے لئے اس قدر باعث تقویت ثابت ہوا کہ وہ اپنے کو واقعی شیخ صاحب کا داماد سمجھنے لگے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اسی دن سے میر صاحب نے ہم کو بھی غالباً اپنے والد مرحوم کا قائم مقام سمجھ کر اسی احترام کا مستحق سمجھ لیا تھا چنانچہ اب ہماری خاطر و مدارات میں اضافہ تھا اور ہم ان کے تمام معاملات کے سولہ آنہ مالک و مختار تھے البتہ رنڈیوں کے قصے اور ان کی سیاسیات سے ہم کو بے خبر رکھا جاتا تھا اس لئے کہ ہم بہر حال بزرگ تسلیم کر لئے گئے تھے۔ اور یہ گستاخی کیونکر ہو سکتی تھی کہ ہمارے دوست شیخ عنایت اللہ کے داماد اور خود ہمارے چھوٹے میر صاحب ہمارے ہی سامنے اپنی طوائف نوازی کے ثبوت بھی دیں۔ مگر ہم کو بھی پتہ چل ہی جاتا تھا کہ آج کون سی رنڈی کا کیا پیغام آیا تھا اور کون بی صاحبہ بنفس نفیس میر صاحب کے دربار میں تشریف لائیں دو ایک روز تو ضرور میر صاحب اپنی اس اسکیم میں کامیاب ہو گئے کہ ہم کو ان کی رنگینیوں کی خبر نہ ہو بلکہ وہ نہایت ہی ہونہار اور سعادت مند اولاد کی طرح ہمارے سامنے آتی رہیں لیکن ایک دن اتفاق سے ہم ایسے موقع پر میر صاحب کے یہاں نازل ہو گئے جبکہ وہ راجہ اندر بنے بیٹھے تھے اور چاروں طرف سُرخ، سبز، سفید، نیلی، پیلی، پریوں کا مع کالے، سفید، لال دیوؤں کے اکھاڑہ جمع تھا۔ میر صاحب اس وقت ہم کو

دیکھتے ہی کچھ سٹپٹا سے گئے، اس لئے کہ ہم بغیر بلائے کبھی نہ آتے تھے۔ اور میر صاحب ایسے وقت خود ہی نہ بلاتے تھے آج اتفاق سے ہم بغیر بلائے آگئے تھے ایسے وقت جبکہ میر صاحب پر جوانیاں پھٹی پڑرہی تھیں۔ بہر حال ہم کو دیکھتے ہی تعظیماً کھڑے ہو گئے اور ان کے ساتھ تمام حاضرین و حاضرات کو کھڑا ہونا پڑا۔ اس کے بعد میر صاحب زبردستی ہم کو اپنی مسند پر بٹھا کو خود ہمارے پاس ہی بیٹھ گئے اور چپکے سے پوچھا:۔

"خیریت تو ہے۔؟"

ہم نے ان کو مطمئن کرتے ہوئے کہا۔" جی ہاں خیریت ہے۔ شیخ عنایت اللہ بھی میرے یہاں آئے تھے بلکہ میرے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں وہ خود آپ سے بھی آج ملنا چاہتے تھے بلکہ میں ان کو اپنے ہمراہ لا رہا تھا لیکن پھر میں نے سوچا کہ پہلے خود میں ہو آؤں اور یہ بہت ہی اچھا ہوا کہ میں ان کو لے کر نہیں آیا۔"

اوّل تو ہماری ہی اس طرح بے موقع نازل ہونا میر صاحب کے لئے ایک مصیبت ثابت ہو رہا تھا دوسرے ہم نے جو شیخ صاحب کا نام لیا تو میر صاحب کچھ گھبرائے کہ مع مبالغہ ایک منٹ کے اندر کوئی سَو مرتبہ اس طرح جلدی جلدی پہلو بدل گئے گویا "ڈبل میں آپ ہی آپ" بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ سیکڑوں کھٹمل چمٹ گئے ہیں اور آپ کو کسی پہلو قرار نہیں ہے یا" جنگلی کا لنگور" ہے جو مسلسل ڈنڑ پیل رہا ہے اس بدحواسی کے عالم میں میر صاحب بھلا کیا جواب دیتے۔ خود ہم ہی نے کہا۔

"اس وقت تو میں ان کو خوبصورتی کے ساتھ ٹالے دیتا ہوں۔ اس لئے کہ نہ یہاں ان کا لانا مناسب ہے اور نہ اس مجمع کو منتشر کرنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔"

میر صاحب نے گھبرا کر پوچھا۔" مگر آپ کیا کہیں گے شیخ صاحب قبلہ سے۔"

ہم نے کہا۔ "اجی کہیں گے کیا یہی کہدیں گے کہ اس وقت عبادت میں مصروف ہیں۔

میر صاحب نے کہا۔ "اجی نہیں عبادت نہ کہیئے گا اس شیطانی کام کو بلکہ یہ کہہ دیجئے گا کہ کہیں گئے ہیں۔"

ہم نے میر صاحب کو مطمئن کر دیا کہ بہر حال کوئی نہ کوئی چرکہ دید یا جائے گا۔ اور وہاں چلنے لگے تو میر صاحب نے پھر ہم کو روک کر کہا۔" اچھا تو جب شیخ صاحب قبلہ تشریف لے جائیں آپ آئیے گا ضرور مفصل گفتگو ہوگی۔"

ہم پھر آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ نہ دراصل شیخ صاحب آئے تھے نہ کوئی خالص جب بلکہ مقصد تو صرف یہ تھا کہ میر صاحب کو ایک ہلکا سا جلاّب دید یا جائے چنانچہ یہ ترکیب کی گئی تھی ہم میر صاحب کے یہاں سے آکر تھوڑی دیر گھر میں بیٹھے اور پھر حسب وعدہ میر صاحب کے یہاں جا پہونچے۔ میر صاحب ہم کو دیکھتے ہی منھ کھول کر سوالیہ نشان بنے ہوئے کھڑے ہو گئے اور ہمارے ساتھ بیٹھتے ہی پوچھا۔ "کہیئے تشریف لے گئے"

ہم نے کہا" جی ہاں گئے۔"

میر صاحب نے اس اجمال سے الجھ کر کہا۔" کیسے تشریف لائے تھے"۔

ہم نے کہا" یوں ہی پیدل ٹہلتے ہوئے۔"

اور زیادہ الجھ کر بولے"۔ آخر آج مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے کچھ کہا بھی"۔

ہم نے کہا۔" خدا جانے کیوں آئے تھے کچھ بتایا نہیں مگر آپ کے دروازہ پر جو پہلا دیکھ کر پوچھ رہے تھے کہ کیا زنانی سواریاں آئی ہیں۔ میں نے کہدیا کہ آئی ہونگی گھر میں مجھے معلوم نہیں بہر حال وہ کچھ سمجھے وجھے نہیں معلوم یہ ہوتا ہے کہ اب بحیثیت خسر کے وہ اپنے ہونے والے داماد سے تعلقات بڑھانا چاہتے رہیں ورنہ براہ راست

ملنے کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

میر صاحب نے محبت سے ہمارا ہاتھ دبا کر فرمایا۔" واللہ یہ سب کچھ آپ کے قدموں کی برکت ہے۔"

ہم نے اپنے ہاتھوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔" مگر واللہ یہ آج ہی معلوم ہوا کہ میرے قدم یہ ہیں۔"

میر صاحب ہنس دئے اور معمولی ہنسی نہیں ہنسے بلکہ وہی بیساختہ ہنسی ہنسے جوان کے انگرکھے کو لالہ زار بنا دیتی ہے یعنی تمام پان کی پیک ان کے پوپلے منھ سے نکل کر انگرکھے پر پھیل گئی اور وہ فوراً انگرکھا بدلنے کے لئے اندر تشریف لے گئے۔ ان کے جاتے ہی ہم کو ان کی محترمات سے متوجہ ہونا پڑا بلکہ خود ان ہی نے ہم کو متوجہ کر لیا۔ گلاب نے اپنے کمانی دار جسم کو لوچ دے کر گلے سے ہارمونیم کا سر پیدا کرتے ہوئے ایک ترنم کے ساتھ کہا۔" آج کل سرکار کچھ خفا ہیں آخر اس عتاب کی وجہ۔"

استاد ببو خاں نے کہا۔" آج کل تو سرکار کو میر صاحب کے والد کا درجہ حاصل ہے۔"

ہم کچھ جواب بھی نہ دینے پائے تھے کہ ہیرا نے کہا۔" خدا نہ کرے آپ ایسے ناخلف لڑکے کے باپ بنیں۔"

ہم نے کہا۔" نہ دراصل میں ان کا باپ ہوں نہ وہ میرے ناخلف لڑکے بلکہ وہ ہیں ایک عجیب و غریب قسم کے چند ادریس ہوں ان کا قدردان ——"۔

استاد مجن بات کاٹ کر بولے"۔ یہ آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ حضور ایسا چند تو دور دور نہیں مل سکتا۔"

گلاب نے ہماری طرف مخاطب ہوکر کہا۔ "مگر آجکل آپ سے کچھ گاڑھی چھن رہی ہے۔"

ہم نے کہا۔ "میں ان کی شادی کے لئے کوشش کر رہا ہوں نا۔"

ہیرا، استاد مجن اور گلاب نے ساتھ ساتھ کہا۔ "شادی؟"۔

ہم نے کہا۔ "ہاں شادی کرنے کے لئے تو مرا جاتا ہے یہ بڈھا چنانچہ آج کل اسی دُھن میں ہے اور اس کو سولہ آنہ یقین ہے کہ میں اس سلسلہ میں اس کا بڑا ہمدرد ہوں۔"

ہیرا نے کہا۔ "اے ہے یہ اس کھوسٹ کو سوجھی کیا ہے اور کون ہے ایسا اندھا جو اس خواجہ خضر کو اپنی لڑکی دیدے گا۔"

ہم نے کہا۔ "یہ تو نہ کہو کہ کون لڑکی دیدے گا۔ روپیہ وہ بُری چیز ہے کہ اگر ابھی یہ حضرت اپنی شادی کے متعلق ذرا ابھی اعلان کر دیں تو سیکڑوں والدین ان کا روپیہ دیکھ کر اپنی لڑکیوں کو اس اندھے کنوئیں میں جھونکنے کو تیار ہو جائیں گے مگر وہ تو کہئے کہ آپ کو جس نو عمر تعلیم یافتہ دوشیزہ سے عشق ہوا ہے اسکے والدین روپئے کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے اور جب ان حضرت کے سلسلہ میں روپیہ کو قطع نظر کر دیا گیا تو وہاں کچھ رہ ہی نہیں جاتا سوائے اس لاش کے جس میں ابھی سانس کی تھوڑی بہت آمد و رفت باقی ہے لہٰذا کسی ایسے شخص کو جو روپیہ کو اولاد پر ترجیح نہیں دے سکتا اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ اپنی لڑکی کو شادی کے بہانے سے بیوگی کے لئے پیش کرے کوئی آسان کام نہیں ہے اور نہ کوئی شریف آدمی کسی بے گناہ لڑکی کو اس قسم کے عذاب میں مبتلا کر کے اس کا صبر سمیٹے مگر یہ عقل کا دیوالیہ میرے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ میں اس نوعیت میں اس کی امداد کر دوں گا تو میرا کیا نقصان ہے میں بھی اُلو کو اُلو بنائے رکھنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں۔"

ننّو خاں بولے۔ "یہ کہیئے کہ اب ہمارے بڑے میاں کو عروسِ قبر سے عقد کرنے سے قبل سچ مچ کی شادی کا سودا ہوا ہے۔ اچھا تو آج دیکھیئے میں کیسا ان حضرت کو آڑے ہاتھوں لیتا ہوں۔"

ہیرا نے کہا۔ "نہیں تم چپ رہو میں اور گلاب دونوں بلکہ ننھی بھی تینوں اس موئے کی خبر لیں۔"

ہم نے کہا۔ "جی نہیں یہ غلط ہے آپ لوگوں میں سے کوئی اس قصّہ کو چھیڑنے کا حق نہیں رکھتا یہ تو ایک راز ہے جس کا گویا آپ کو کوئی علم ہی نہیں ہے اگر آپ میں سے کسی نے اس کے متعلق کچھ کہا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ گویا میری تمام اسکیم خاک میں مل گئی لہذا آپ لوگ تو بس تماشہ دیکھے جایئے۔"

سب نے ہماری تائید کی مگر ہیرا کو اس کا بڑا شوق تھا کہ ذرا میر صاحب کو دولھا میاں کہہ کر بنایا جائے لیکن وہ بھی ہمارے کہنے سے راضی ہو گئی گلاب نے پوچھا۔ "تو کیا کسی لڑکی پر آپ نے مرنا شروع کیا ہے۔"

ہم نے کہا۔ "مرنا شروع کیا ہے کیا معنی مر بھی چکے ہیں اور چالیسواں بھی ہو چکا ہے اب تو ان کو زندہ کرنے کی تدابیر پر غور کیا جا رہا ہے چنانچہ ایک بار ہم لوگ مٹھائی کھا چکے ہیں اور آئندہ بہت کچھ امید ہے۔"

ہیرا نے کہا۔ "اور جناب ہم لوگ یوں ہی رہے یعنی ایک تو آپ ہمارا سہاگ لوٹیں ہمارے الّو کو ہم سے چھڑائیں اور پھر ہم کو مٹھائی بھی نہ ملے۔"

ہم نے کہا۔ "یہ کون سی بڑی بات ہے اب کی تم سب کا حصّہ اسی۔

ہم لوگ گفتگو میں مصروف ہی تھے کہ میر صاحب کپڑے تبدیل کر کے باہر تشریف لے

آئے اور کسی اور سے مخاطب ہوئے بغیر ہمارے کان کے پاس منھ لاکر بولے "معلوم ہوتا ہے کہ اب شیخ صاحب قبلہ بالکل تیار ہیں۔"

ہم نے کہا۔ "اجی تیار تو ہیں ہی مگر اب ہم کو بھی اس طرح نہ گرنا چاہیے جس طرح مکھی شیرہ پر گرتی ہے بلکہ ذرا رکھ رکھاؤ سے کام لینا چاہیے۔"

میر صاحب نے کہا۔ "مگر ایک بات ہے کہ اگر اب میں اس عذر کے ساتھ ان کے گھر پر جاؤں کہ وہ تشریف لائے تھے اور میں نہ ملا تھا لہٰذا میں خود آیا ہوں تو کیا مضائقہ ہے۔"

ہم نے کہا۔ "مضائقہ تو کچھ نہیں مگر اس کے معنی یہ ہو جائیں گے کہ گویا نسبت طے نہیں ہوئی اس لئے کہ نسبت طے ہو جانے کے بعد لڑکا (لڑکا سن کر میر صاحب کے چہرے پر اچانک مسرت کے جذبات پیدا ہو گئے)۔ سسرال اس وقت تک نہیں جاتا جبتک کہ نکاح کے لئے نہ جائے۔"

منھ کھول کر اور چشمہ کے اندر ہی اندر اپنی چندھی آنکھیں پھاڑ کر بولے "۔ یہ بات ہے۔ تو نہیں جاؤں گا۔" ایک کام کیجیے کہ ذرا پتہ تو چلائیے کہ آخر وہ کیوں ملنا چاہتے تھے۔"

ہم نے کہا۔ "ہاں ہاں میں اس کا پتہ چلاؤں گا مگر آپ بھی یہ کیجئے کہ کچھ نہ کچھ کسی نہ کسی بہانے برابر اُن کے یہاں بھیجتے رہیے تاکہ یہ تعلقات مستحکم ہوتے جائیں مثلاً کل کچھ پھل بھیجد یجئے کہ میرے یہاں پہاڑ سے تحفہ آیا ہے اسی طرح کبھی کوئی کپڑا کبھی کوئی چیز مطلب یہ کہ یہ سلسلہ قائم رہے۔"

میر صاحب نے ہماری تائید کی اور وہ کچھ اور کہنے ہی والے تھے کہ ہم نے کہا۔ "اور باتیں

بھی مجھ کو کہنا ہے مگر پھر کسی وقت کہوں گا اس لئے کہ مجھ کو اس وقت شیخ صاحب کے ساتھ کچھ خرید وفروخت کے لئے جانا ہے وہ اپنی لڑکی کے جہیز کی تیاریوں میں ابھی سے لگے ہوئے ہیں۔" اب میر صاحب بھلا کیسے روک سکتے تھے بڑی خوشی سے ہم کو اجازت دیدی اور ہم آئندہ کے متعلق اسکیمیں تیار کرنے کے لئے گھر آگئے۔

ساتواں باب

ایک اور تازہ مصیبت ملاحظہ فرمایئے اور داد دیجئے ہماری قسمت کی کہ ہم تو اپنے کرم فرما جناب میر صاحب کے وکیل بنے ہوئے تھے اور کامیاب وکیلوں کی طرح اپنے موکل کا سر کاٹ کر فریق ثانی سے مل گئے تھے تاکہ دونوں طرف سے فیس وصول کر سکیں۔ لیکن فریق ثانی یعنی مکرمی شیخ عنایت اللہ صاحب کا رنگ کچھ اور رہی تھا۔ شروع شروع تو ہم یہ سمجھتے رہے کہ یہ حضرت ہیں بڑے متواضع اور خلیق انسان اور ان سے زیادہ ان کے گھر کی عورتیں متواضع معلوم ہوتی تھیں کہ کبھی تو زنگار بٹوے بنے چلے آ رہے ہیں کبھی خوبصورت میز پوش پر ہمارا نام ریشم سے کڑھا ہوا بطور نذر ہماری خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اور کبھی تکیہ کے غلاف کروشیا سے بنے ہوئے اور ان پر نہایت نفاست سے بخط کروشیا شب بخیر لکھا ہوا چلا آ رہا ہے۔ مٹھائیاں اور پھل تو اس کثرت سے کھانے کو ملے ہیں کہ ایمان کی بات یہ ہے کہ خود ہمارے موکل یعنی میر صاحب اس سلسلہ میں شیخ صاحب کا مقابلہ نہیں کر سکتے اسی طرح دعوتوں کا سلسلہ بھی جاری تھا اور شیخ عنایت اللہ کے علاوہ ان کی اہلیہ محترمہ بھی نہایت شفقت آمیز محبت باوجود پردہ کرنے کی فرماتی رہتی تھیں ان تمام باتوں کے علاوہ شیخ صاحب کو گویا اس کا خبط تھا کہ اپنی صاحبزادی یعنی وہی میر صاحب کی منظور نظر ثریا بیگم کا قدم قدم پر پروپیگنڈا کریں ہم آپ

سے سچ عرض کرتے ہیں کہ ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم نہایت شریف ہیں اور نہ ہم اپنی نیک چلنی جتانا چاہتے ہیں بلکہ بطور اظہار واقعہ صرف اس قدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ اگر ہماری جگہ پر کوئی اور ہوتا تو شیخ عنایت اللہ صاحب کی اس وقت کی قصیدہ خوانی سے وہ ان کی صاحبزادی کا نادیدہ زرخرید غلام بن جاتا لیکن ہم کو تو صرف کرنا تھی تجارت لہٰذا عشق کا خیال ہی پیدا نہ ہوا البتہ شیخ صاحب کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے تھے اور یہ سمجھنے کی کبھی کوشش بھی نہ کرتے تھے کہ آخر اس پروپیگنڈے کا مقصد کیا ہے۔

ایک دن جبکہ ہم کو شکاری چڑیاں کھلانے کے بہانے سے اپنے یہاں مدعو کیا تھا۔ اور شکاری چڑیوں کے علاوہ غیر شکاری پلاؤ غیر شکاری شیر برنج اور خدا جانے کیا کیا کھلا چکے تھے ایک جالی کا گلاس پوش جس میں خوبصورت موتیوں کی جھالر لگی ہوئی تھی اپنی کلمے کی انگلی پر نچا کر بولے۔

"کیوں بھئی یہ دیکھا تم نے ——— یہ جدت ہماری ثریا کی ہے بس دن بھر یہی کرتی رہتی ہے کہ یہ چیز بنا وہ چیز بنا ——— دیکھیے میں آپ کو ایک ٹی کوزی دکھاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر شیخ صاحب ننگے پیر ہی گھر میں گھس گئے اور اُلٹے پاؤں ٹی کوزی لیے ہوئے برآمد ہوئے یہ ٹی کوزی سرخ ساٹن کی نہایت خوبصورت بنی ہوئی تھی اور اس پر سفید رنگ کے ریشم سے ایک نہایت نازک چائے کی پیالی مع پرچ کے بنائی گئی تھی پیالی اور پرچ پر ہلکے آسمانی رنگ کے ریشم سے پھول بنے ہوئے تھے اور پیالی میں سنہرے تاروں سے اس طرح کام بنایا گیا تھا کہ گویا سنہرے رنگ کی چائے پیالی

میں بھر کر تھوڑی سی چھلک گئی ہے اور پرچ میں گری ہے اس کے علاوہ بادامی رنگ کے ریشم سے پیالی سے اٹھتی ہوئی ہلکی ہلکی بھاپ بھی بنائی گئی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ٹی کوزی بنانے والی کی جدت اور نفاست پسندی کا بہترین ثبوت تھی

ہم نے اس کو دیکھتے ہی کہا۔ "سبحان اللہ۔"

شیخ صاحب کی باچھیں اس طرح کھل گئیں گویا آپ ہی نے ٹی کوزی بنائی ہے کہنے لگے ماشاءاللہ اس قدر صاف ہاتھ ہے کہ دیکھئے پیالی سے اٹھنے والی بھاپ کو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ بھاپ نہیں ہے۔ اور پھر چائے کی پیالی میں بھر کر چھلک جانا کس خوبصورتی سے دکھایا گیا ہے۔"

ہم نے ٹی کوزی کو بغور دیکھتے ہوئے کہا"۔ شیخ صاحب آپ خوش قسمت ہیں کہ ایسی سلیقہ شعار لڑکی آپ کو خدا نے دی ہے خدا اس کی عمر میں برکت دے اور صاحب نصیب کرے۔"

شیخ صاحب نے مارے خوشی کے داد طلب انداز میں کہا" یہ بات آجکل کی لڑکیوں میں نہیں ہے وہ اسکولوں میں پڑھتی تو ضرور ہیں لیکن بس پڑھنے اور ہڑ دنگے مارنے بھر کی ہوتی ہیں نہ نماز کی نہ روزے کی نہ دستکاری سے کوئی مطلب رہتا ہے اور نہ خانہ داری سے کوئی دلچسپی لیکن یہ لڑکی تو عجیب ہے آپ پڑھنے میں دیکھئے تو آج تک کبھی فیل نہیں ہوئی۔ پھر بھلا کیا مجال کہ کسی وقت کی نماز قضا ہو جائے صبح اٹھ کر جب تک ایک پارہ کلام مجید کا پڑھ نہیں لیتی اس وقت اس کو چین نہیں آتا اس کے علاوہ ماں کو اٹھنے ہی نہیں دیتی کہ وہ اٹھ کر کسی کام میں ہاتھ ہلائیں خدا کے فضل سے گھر میں ماما بھی ہے اور اوپر کا کام کرنے کے لئے لڑکی بھی موجود ہے مگر ہانڈی خود بھونے گی اور اپنی نگرانی میں سب کام لے گی آج آپ نے جو کچھ کھایا ہے وہ سب بلا شرکت غیرے اسی کے ہاتھ کا پکایا ہوا تھا

یہاں تک کہ روٹی بھی اس نے ماما کو پکانے نہ دی محض اس خیال سے کہ اگر اس نے مرضی کے مطابق نہ پکائی تو آپ کیا کہیں گے۔ ان تمام باتوں سے جو وقت بچتا ہے وہ اسی میں گزرتا ہے کہ آج یہ چیز بن رہی ہے کل وہ چیز تیار ہو رہی ہے اب آج کل آپ ایک میزپوش بنا رہی ہے جس پر لکھنؤ کا وہ نقشہ بنایا جائے گا جو واجد علی شاہ کے زمانہ میں تھا۔ اس نقشہ کو دیکھنے کے لئے ایک روز میرے ساتھ بیلی گارد گئی تھی اور وہاں سے کاغذ پر وہ نقشہ بنالائی ہے ۔ اب وہی میزپوش پر بن رہا ہے یہ میزپوش بھی ایک تاریخی چیز ہوگا۔"

ہم منھ اٹھاتے ہوئے شیخ صاحب کی اس لڑکی کا حال سنتے رہے جو دنیا کے سات عجائب میں گویا ایک کا اضافہ تھی آخر ہم نے یہ سوچ کر کہ کہیں شیخ صاحب ہماری خاموشی کو اپنی صاجزادی کی توہین نہ سمجھیں کہا۔" ماشاء اللہ یہ لڑکی تو ہزار دو ہزار میں ایک ہے خدا اس کو نظر بد سے محفوظ رکھے"۔

ہم ابھی یہیں تک کہنے پائے تھے کہ اندر سے آواز آئی۔" آداب عرض"۔ یہ شیخ صاحب کی اہلیہ محترمہ اور بقراط کی خالہ صاحبہ مکرمہ و معظمہ تھیں ہمارے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتی تھیں یعنی تھے تو ہم ان کے فدوی شوہر کے گویا دوست لیکن ان محترمہ نے ازراہ شفقت خدا جانے کیوں ہم کو اپنی اولاد سمجھنا شروع کردیا تھا اکثر یونہیں پردہ کے پیچھے سے باتیں کرلیا کرتی تھیں اور ہم نہایت سعادت مندی کے ساتھ ان کو ہر بات کا جواب دیا کرتے تھے لہذا آج بھی ہم نے کہا:" تسلیم۔ کہئیے مزاج تو اچھے ہیں ؟۔"

جواب ملا۔" جی ہاں اللہ کا شکر ہے آپ تو اچھے ہیں ؟۔"

ہم نے کہا۔" دعا ہے آپ کی۔ آج آپ نے پھر مجھ کو سلام کیا حالانکہ میں کہہ

چکا ہوں کہ اس سے مجھ کو بڑی ندامت ہوتی ہے یہ فرض تو میرا ہے شاید آپ مجھ کو اپنی دعاؤں سے محروم رکھنا چاہتی ہیں"۔

ہنس کر بولیں۔" لو اور سنو یہاں تو یہ حال ہے کہ دعائیں دیتے دیتے زبان خشک ہوئی جاتی ہے اور آپ کہتے ہیں دعائیں نہیں دینا چاہتی مگر آپ تو خود میری دعائیں قبول نہیں ہونے دیتے۔"

ہم نے کہا۔" مجھ کو تو یاد نہیں پڑتا کہ میں نے آپ کی کسی دعا کے سلسلہ میں قبول کرنے والے کو بھڑکایا ہو یا بھانجی ماری ہو۔"

کہنے لگیں۔" مثلاً شادی ہی کی دعا کو لیجئے میں آپ کو ہمیشہ شادی کی دعا دیتی ہوں اور آپ ہیں کہ شادی کرتے ہی نہیں کسی طرح۔"

اب ہم ہوئے ذرا چپ مگر عورت کے مقابلہ میں لاجواب ہونا بھی کیا لہذا بشکل تمام ہم نے کہا" یہ دعا بھی قبول ہو ہی جائے گی"۔

کہنے لگیں۔ آخر یہ آپ کرتے کیوں نہیں ہیں شادی۔ ہم نے کہا۔ ذرا دوسروں کی شادی سے فرصت ملے تو اپنی فکر کروں۔

ہنس کر بولیں۔" اے موئے جھڑ دس کی شادی کی فکر ہو گی اور کس کی شادی کی آپ کو فکر ہے۔ ایسی ہی فکر ہوئی تو ہماری ثریا کی نہ کہیں ٹھہراتے۔"

ہم نے کہا۔ ثریا کی شادی ٹھہرانے کے لئے اور فکر کی ضرورت ہو اس کے لئے تو خود ہی ناک رگڑتے ہوئے امیدوار آئیں گے۔

گویا منھ چڑھا کر بولیں۔" جی ہاں آئے تو ہیں امیدوار مگر ویسے ہی جیسا ایک امیدوار جھاڑ دبھرا آپ لائے تھے۔"

ہم نے ذرا سنجیدگی سے کہا۔" اچھا یہ بتائیے کہ آپ نے لڑکے کے انتخاب کے لئے کیا معیار قائم کیا ہے یعنی آپ کس قسم کا لڑکا چاہتی ہیں۔"؟

انھوں نے جواب دیا۔" مجھ کو تو تم اپنا ہی ایسا کوئی ڈھونڈھ کر لا دو۔

یقین جانئے کہ ہم یہ سُن کر دھک سے رہ گئے اور کچھ جواب بن نہ پڑا۔ شیخ صاحب حقّہ کی نَے ہاتھ میں لئے مسکرا رہے تھے اپنی بیگم کے یہ الفاظ سُن کر ہنستے ہوئے بولے:" کیا خوب یہ تو وہی ہوا کہ۔ ع۔

مجھ کو تو تو پسند ہے اپنی نظر کو کیا کروں"!

ان کا یہ کہنا تھا کہ پڑی اندر سے ایسی لاجواب قسم کی اسّی نمبر کی ڈانٹ کہ شیخ صاحب اٹینشن ہو کر بیٹھ گئے اور پھر نہایت مسکینی سے بولے۔" آخر میں نے کون سی ایسی بات کہی ہے۔"

اس ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ قسم کی بیوی نے کہا۔" واہ یہ تو آپ کا بڑھاپا ہے۔ اور زبان میں جیسے لگام ہی نہیں ہے جو منھ میں آیا بھٹ سے کہدیا۔ خبر بھی ہے کہ اس موقعہ پر تمھارے اس کہنے کے کیا معنی ہوئے"۔

شیخ صاحب نے فدویانہ انداز سے کہا۔ بھلا غور تو کرو کہ خبر ہوتی تو کہتا ہی کیوں"۔

بیوی نے ڈپٹ کر کہا۔" تم کو تو جیسے بات کرنے کا شعور ہی نہیں ہے یعنی بات ہو رہی ہے لڑکی کی شادی کے متعلق اور آپ کو سوجھ رہی ہے مذاق کہ گویا میں اس بیچارے کو جو میری اولاد کے برابر ہے پسند کئے لیتی ہوں"۔

شیخ صاحب نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔" استغفر اللہ۔ لاحول ولا قوۃ میرا مطلب یہ تھوڑی تھا میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ ان کو اپنی لڑکی کے لئے ایسا ہی دولھا چاہئے ہے۔ جیسے کہ یہ

خود ہیں یعنی تمہاری پسندیدگی کا معیار یہ خود ہیں۔

بیوی نے کہا۔" ہاں تو یہ کہو تم تو لگے قابلیت چھانٹنے کہ شعر پڑھ دیا چاہے موقع ہو یا نہ ہو"

شیخ صاحب اور ان کی بیوی میں تو یہ بیت بازی ہو رہی تھی اور ادھر ہم دوسرے عالم میں تھے گویا ان تمام مدارات کا راز کھل گیا تھا جو شیخ صاحب کی طرف سے ہو رہی تھیں اور وہ مطمئن تھے کہ یہ نسبت نصف کے قریب طے ہی ہو گئی ہے اس لئے کہ جہانتک ان کا اور ان کی بیوی کا تعلق تھا وہ تو راضی تھے ہی اب صرف ہماری رضا مندی باقی تھی۔

آٹھواں باب

ہم کو امید ہے کہ اب آپ کو ہمارے ساتھ ہمدردی پیدا ہو گئی ہو گی اور واقعی ہماری حالت بھی قابلِ رحم تھی یعنی گئے تو تھے نماز بخشوانے وہاں روزہ بھی گلے پڑ گیا اوّل تو ہماری منگیتر جو بیچاری محض ہماری امید پر زندہ تھی اور جس کو اپنے ہونے والے شوہر یعنی اس خاکسار کی خدمت کی تمنا ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک خدا جانے کس حد تک ایک فرمانبردار بیوی بننے کے قابل بنا چکی تھی اور ہم صحیح معنوں میں گویا اس کی امانت تھے یعنی وہ بقول بڑی بوڑھیوں کے ٹھیکرے کی منگی ہوئی تھی لہذا آپ خود ہی بتائیے کہ یہ کس قدر غیر شریفانہ، انسانیت سوز اور اخلاق سے گرا ہوا فعل ہو سکتا ہے کہ ہم اس کو تو امیدواری ہی میں رکھیں اور خود شیخ صاحب کی غلامی میں جا کر گویا ان کی صاحبزادی کی امیدواری شروع کر دیں یعنی اپنی منگیتر کی امانت میں خیانت کریں۔ لاحول ولاقوۃ۔ دوسرے شیخ صاحب کی صاحبزادی کی حیثیت بھی گویا امانت کی تھی اور یہ واقعہ ہے کہ میر صاحب قبلہ نے ہم پر ایسا ہی اعتماد کیا تھا کہ ہم کو امین بنا دیا تھا لہذا اس طرف سے بھی خیانت کا جرم عائد ہوتا تھا یعنی ہم دو طرفہ خائن بن رہے تھے ایک طرف تو یہ دونوں باتیں تھیں اور دوسری طرف جوانی کی یہ حماقت آفرینی بھی ہم کو گدگدا رہی تھی کہ واقعی شیخ عنایت اللہ بڑے شریف ہیں اور اس قابل ہیں کہ ان کو ہر شریف آدمی اپنا خسر بنا لے پھر ان کی بیوی تو ایسی ہیں کہ خدا ہزار ساسیں دے تو اس ایک ساس

پر قربان کی جاسکتی ہیں اور شیخ صاحب کی صاحبزادی کا تو کہنا ہی کیا ایسی تعلیمیافتہ ایسی
سہگڑ ایسی دستکار اور ایسی نظر فریب کہ میر صاحب بھی درخواست دیوالیہ دینے
کو تیار ہیں مختصر یہ کہ ہمہ صفت موصوف لڑکی کہیں ہر ایک کو ملا کرتی ہے اور اس سے
بڑھ کر ہماری بد قسمتی بھلا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہم ایسی دولت کو ٹھکرا دیں۔ ہر وقت ذہن
میں یہی خیالات ناچنے لگے کہ ایسی سسرال کا ملنا مشکل ہے کس قدر محبت سے یہ لوگ
پیش آتے ہیں اور پھر یہ امتیازی حیثیت کہ ہم نے درخواست نہیں کی ہے بلکہ کنواں پیاسے
کے پاس آیا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ ان لوگوں نے میر صاحب کی دولت کو ٹھکرا کر
گویا اپنی نظر انتخاب کا مرکز بنایا ہے۔ ایک غیر شادی شدہ نوجوان کے لئے اس قسم کے
خیالات کس حد تک مفرح قلب ثابت ہو سکتے ہیں اس کا اندازہ غیر شادی شدہ نوجوان کر سکتے
ہیں جو نہ خوبصورت ہوں نہ جن میں کسی اور قسم کی دلکشی ہو لیکن باوجود اس کے جن کو
ہر وقت یہ فکر رہتی ہو کہ کون سی خوبصورت عورت للچائی ہوئی نظروں سے ان کو گھور
رہی ہے اور کس حسین لڑکی کے باپ نے ان کو دامادی میں قبول کرنے والی التجائی نظروں
سے دیکھا۔ بہر حال ہم کو یہ اعتراف کر لینے میں ذرا بھی نہ شرمانا چاہئے کہ ہم ان خیالات سے
پھولے نہ سماتے تھے اور اپنے متعلق مستقل طور پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر رہ گئے تھے کہ ہم
بھی گویا کچھ ہیں۔"

ادھر میر صاحب کا حال دگرگوں تھا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ بڈھا دل و جان سے اس
لڑکی پر عاشق تھا جو ہمارے سر منڈھی جا رہی تھی حالانکہ اب ان حضرت کو ہم نے
بالکل اطمینان دلا دیا تھا کہ تین سال سے قبل اس کی شادی نہیں ہو سکتی اور تین سال کے
بعد اگر ہوگی تو آپ ہی کے ساتھ ہوگی مگر اس کے باوجود وہ تو بڑے عاشق اور عاشق بھی ایسے

لب گور ہوں لہٰذا ان کو بھلا اطمینان کہاں نصیب تھا غالباً وہ خود یہ سمجھتے تھے کہ خدا جانے

یہ تین سال ان کو دیکھنا نصیب بھی ہوں یا نہیں لہٰذا وہ بیچارے اپنے اضطراب میں

بالکل حق بجانب تھے ایک روز ہم کو بلاکر تنہائی میں کہنے لگے ۔

" کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ شیخ صاحب کو اس بات پر آمادہ کرلیں کہ نکاح تو کردیں ابھی ،

رخصتی جب وہ کہتے ہیں اسی وقت کردیں ۔"

ہم نے کہا " میر صاحب اصل چیز تو رخصتی ہی ہے صرف نکاح کرنے میں سوائے اس کے

کہ بلا وجہ پھر کے مقروض ہو جائیں اور تو بظاہر کوئی فائدہ ہے نہیں دوسرے وہ نکاح بھی

نہیں کریں گے اس لئے کہ نکاح کرنے کے بعد وہ بالکل بے دست و پا ہو جائیں گے آپ

ان کو ہر وقت رخصتی کے لئے مجبور کر سکتے ہیں اور ان کو نکاح کے بعد اپنی ضد چھوڑ کر

آپ کی مرضی کے مطابق چلنا ہوگا ۔"

میر صاحب نے ڈگڈگی بجانے کے انداز سے اپنے رعشہ دار ہاتھوں سے خاصدان

اٹھاتے ہوئے کہا " بھائی یہ تو سچ ہے مگر تم ان سے یہ صاف صاف کہدو کہ میں بھی

صاحب اولاد ہوں لڑکا جوان ہے میں نے اس کی شادی نہیں کی ہے لہٰذا وہ میرا ماتحت

ہے لیکن شادی کے بعد وہ خود آزاد ہو جائے گا اور اگر اس زمانہ تک میں نے اپنا گھر نہ

بسایا تو مجھ کو اس کا کوئی حق نہ ہوگا کہ میں اپنی جائداد لڑکے کے نام منتقل نہ کردوں اور

چونکہ میں چاہتا ہوں کہ ابھی سے چپکے چپکے اپنی بیوی کو اپنی تمام املاک کا مالک بناتا

رہوں لہٰذا کم سے کم نکاح ضروری ہے ۔"

ہم نے کہا ۔" مگر میر صاحب یہ تو بڑی بے انصافی ہوگی کہ آپ لڑکے کا حق ۔"

بات کاٹ کر بولے ۔" چپکے چپکے بولئے وہ آج کل آیا ہوا ہے امتحان ختم ہوگیا اب

یہیں رہے گا اور دکالت کرے گا میں دراصل اس کا حق مارنا نہیں چاہتا لیکن یہ بھی تو دیکھیے کہ اب اس کو میں نے پڑھا لکھا کر اس قابل کر دیا ہے کہ وہ خود اب اچھی خاصی طرح کما سکتا ہے لیکن گھر میں بیٹھنے والی عورت کی مالی حالت اگر اچھی نہ ہوئی تو مجبوراً اس کو میرے بعد شادی کرنا پڑے گی اور یہ بھی میری وہ بدنامی ہوگی جو مرنے کے بعد حاصل ہو۔"

ہم میر صاحب کو کچھ جواب دینا ہی چاہتے تھے کہ ان کے صاحبزادے تشریف لائے اور نہایت ادب سے ہم کو سلام کیا حالانکہ وہ خود ہمارے برادر محترم معلوم ہوتے تھے مگر اس خیال سے کہ ہم ان کے والد کے ملنے والے ہیں انھوں نے اپنی اور ہماری عمر کا خیال کئے بغیر ہم کو چچا سمجھ کر سلام کیا تھا لہٰذا ہم نے نہایت احترام کے ساتھ سلام کا جواب دیا اور اخلاقاً ان کو اپنے پاس بٹھا کر رسمی گفتگو شروع کر دی۔ اس گفتگو سے اور صورت و شکل وضع قطع سے ہم نے ان کے متعلق جو اندازہ کیا وہ یہ تھا کہ ولی کے یہاں شیطان پیدا ہو سکتا ہو لیکن شیطان کے یہاں ولی نہایت آسانی کے ساتھ پیدا ہو سکتا ہے چنانچہ یہ وجیہہ و شکیل تندرست اور رعنا جوان تہذیب کا پتلہ، اخلاق کا مجسّمہ اور شائستگی کا پیکر معلوم ہوتا تھا۔ نہایت نرمی کے ساتھ مہذب طریقہ پر گفتگو کرنا ہنسی کے موقع پر متانت سے ہنستا اور غور و فکر کے موقع پر سنجیدگی سے غور کرنا مختصر یہ کہ یہ لڑکا میر صاحب کے ارشاد کے مطابق اور اس لئے اور بھی کہ خود اس کے لڑکے نے انکار نہیں کیا لہٰذا ہم نے ان کا لڑکا سمجھ لیا ورنہ میر صاحب کجا اور یہ لڑکا کجا بالکل چہ نسبت خاک را با عالم پاک والا معاملہ تھا واللہ ہم کو تو یہ منظر دیکھ کر ایسا تعجب ہوا کہ بیان نہیں کر سکتے کہ وہ لڑکا اپنے اس کندۂ ناتراش کو ایسا واجب التعظیم سمجھتا تھا کہ کیا کوئی بیٹا اپنے باپ کو سمجھے گا مختصر یہ کہ ہم نے

اس لڑکے کے متعلق پہلی مرتبہ ملنے کے بعد اس قدر عمدہ رائے قائم کی ہے کہ اس قدر عمدہ رائے ہم نے ابتک اپنے کسی نوجوان دوست یا عزیز کے متعلق بھی قائم نہیں کی تھی اور واقعہ بھی یہ تھا کہ وہ لڑکا ہی ایسا تھا خدا جانے میر صاحب کے یہاں کس طرح پیدا ہوگیا اس کو تو کم سے کم پنڈت موتی لال نہرو یا زیادہ سے زیادہ زاغلول پاشا کے یہاں پیدا ہونا چاہیئے تھا۔

ان صاحبزادہ سے گفتگو نے اس حد تک طول کھینچا کہ میر صاحب پہلے تو اپنے لڑکے کی اس مداخلت بیجا پر پہلو بدلتے رہے اور آخر کار وہاں سے خود ہی چلے گئے ان کے چلے جانے کے بعد ہم نے ان صاحبزادے سے کہا۔

"احمد میاں آپ کسی وقت میرے گھر پر تشریف لایئے تو آپ سے میں ذرا تفصیل کے ساتھ گفتگو کروں گا وہ گفتگو میں دراصل یہاں کر ہی نہیں سکتا۔"

احمد میاں بڑے ذہین آدمی ایک زیر لب تبسم کے ساتھ بولے "بہت خوب میں ضرور حاضر ہوں گا آپ غالباً بہت ہی رنگین گفتگو فرمائیں گے اور اُلٹی گنگا بہا کر باپ کی شکایت بیٹے سے کریں گے۔"

ہم نے کہا "خوب سمجھے آپ؟"

احمد میاں نے اپنا چشمہ صاف کرتے ہوئے ذرا مایوسی کے ساتھ کہا "جی ہاں اسکا میں سمجھنا ہی کیا ہے وہ تو میں جب سے حاضر ہوا ہوں خود ہی دیکھ رہا ہوں اور ایک روحی اذیت میں مبتلا ہوں مگر دم نہیں مار سکتا۔ سنا ہے کہ اب تو ہمارے ابوجان گھر بسانے کی فکر میں بھی ہیں۔"

ہم نے احمد میاں کے قریب کھسک کر کہا "یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

احمد میاں نے نہایت متانت سے کہا۔ "مختلف لوگوں سے سنا ہے اور زیادہ تر ملازمین سے۔"

ہم نے کہا۔ "اس چیز میں بہت دخل میرا بھی ہے لیکن میں اپنے راز آپ کو اس وقت تک نہ بتاؤں گا جبتک کہ آپ کا پورا اعتماد حاصل نہ کرلوں اور خود بھی آپ کو بھی اس سازش میں شریک نہ کرلوں۔"

احمد میاں نے لاپرواہی سے کہا۔ "خیر اعتماد وغیرہ تو زمانہ اور وقت کے ساتھ قائم ہوتا ہی رہے گا لیکن سازش کی شرکت سے معذرت چاہوں گا مجھ کو دراصل اس وقت ایسی کی فکر ہے کہ اپنی پریکٹس شروع کرنے کے لئے امکانات مہیا کروں اس کے علاوہ مجھ کو والد صاحب کی ان سرگرمیوں سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے البتہ یہ تکلیف ضرور ہوتی ہے کہ ان کا یہ زمانہ ان اشغال کے لئے نہ تھا۔"

ہم نے کہا۔ "برادرم۔ آپ میرا مفہوم نہیں سمجھے میں خود آپ کے والد محترم کے لئے جو کچھ کر رہا ہوں وہ ہر حیثیت سے بہتر ہے میں دراصل ان تمام لغویات کا سدباب کرنے کے لئے بے چین ہوں اور اسی کے لئے میں نے یہ نکاح والی فرضی اسکیم تیار کی ہے ـــــــ"۔

بات کاٹ کر احمد میاں نے کہا۔ "کیا فرمایا ـــــــ فرضی؟"۔

ہم نے کہا۔ "جی ہاں یہی تو میں کہتا ہوں کہ آپ کسی وقت میرے پاس تشریف لائیے تو ذرا تفصیلی کے ساتھ گفتگو ہو۔ اور یہ اسکیم آپ کو سمجھائی جائے۔"

احمد میاں نے ایک عجیب چیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "واللہ عجیب بات ہے۔ ضرور حاضر ہوں گا اور سنوں گا وہ اسکیم"۔

ہم احمد میاں سے اپنے یہاں آنے کا وعدہ لے کر اپنے گھر چلے آئے۔

نواں باب

میر صاحب کے صاحبزادے سے ملنے کے بعد ہی سے ہمارے ذہن میں ایک نہایت ہی لاجواب پلاٹ ناچ رہا تھا اور وہ یہ تھا کہ اس لونڈے کو تو نفتی کر دیا جائے شیخ عنایت اللہ کی صاحبزادی کے ساتھ رہ گئے میر صاحب وہ بھی کیا یاد کریں گے کہ کوئی شخص ان کو ملا تھا جس نے باپ اور بیٹے کے درمیان رقابت کا خوشگوار رشتہ قائم کرادیا۔ یہ اسکیم بجائے خود تو تھی بڑی لاجواب مگر اس کا تلخ پہلو بھی تھا اور وہ یہ کہ اس لڑکی کے لئے تو گویا بلا مقابلہ انتخاب ہوا تھا اور ایسا انتخاب کہ جس پر ہم جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ یعنی آپ خود ملاحظہ فرمائیے کہ ایسی لاجواب عنقا صفت لڑکی کے والدین نے بغیر ہماری تحریک کے خود ہی ہم کو منتخب کیا تھا وہ ہمارے لئے کس قدر بلند رائے رکھتے تھے اور جب ان کی اس قدر اچھی رائے تھی تو یقیناً وہ لڑکی بھی ہم کو خدا جانے کیا سمجھتی ہوگی۔ اس کے ہاتھ کا بنایا ہوا بٹوہ اس کا شاہد تھا کہ اس کے دل میں ہمارے لئے ایک جذبۂ بے اختیار موجود ہے۔ کس نفاست، کس کاریگری اور کس خلوص کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ اور اب تو جب سے شیخ صاحب کی اہلیہ محترمہ نے ہم پر نظر انتخاب ڈالی تھی، ہم کو اس بٹوہ کے ایک ایک ستارے میں محبّت کی زرنگار دنیا جگمگاتی ہوئی نظر آرہی تھی معلوم یہ ہوتا تھا کہ اس بٹوے کے ہر زریں پھول میں ثریا کھڑی ہوئی مسکرا مسکرا کہہ رہی ہے کہ تم میرے ہوئیں نے اور میرے والدین نے تم کو منتخب کیا ہے کبھی ثریا کے ہاتھ کا بنایا ہوا تکیہ کا غلاف ایک

دنیائے تخیل لئے ہوئے آجاتا تھا معلوم ہوتا تھا کہ اس غلاف کی بنانے والی نے اپنے تمام جذبات ریشم کی پتیوں کے ساتھ اس غلاف پر نمایاں کر دئے ہیں۔ غلاف پر کڑھا ہوا معمولی سا لفظ "شب بخیر" ہمارے لئے خدا جانے کیا معنی رکھتا تھا۔ مختصر یہ کہ ہم پر شیخ صاحب کی دختر نیک اختر کا خاموش جادو مکمل طریقہ پر اثر کر چکا تھا اور ہم بھی تقریباً اس محکمہ میں شامل ہو چکے تھے جس میں میر صاحب کو ایک اعلیٰ عہدہ پہلے ہی سے حاصل تھا یعنی عشق کی حماقت سے اگر ہم اپنے کو محفوظ بھی ثابت کر سکیں تو اس سے انکار ناممکن ہے کہ ہم کو شیخ صاحب کی دامادی میں جانے سے خطرناک حد تک دلچسپی پیدا ہو چکی تھی اور اگر یہ دلچسپی قائم رہتی تو آج موازنہ انیس و دبیر کی طرح ہمارا اور میر صاحب کا اس معاملہ میں موازنہ ہو سکتا تھا۔ مگر وہ تو کہئے کہ ہماری منگیتر کا خیال ایک وسیع خلیج کی طرح حائل تھا۔ پھر بھی واللہ یہ ہم بہت بڑا ایثار کر رہے تھے کہ میر صاحب کے صاحبزادے اور شیخ صاحب کی صاحبزادی کی شادی کے امکانات پر غور کر رہے تھے کہ اس کی نسبت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے محض اس لئے اور واللہ صرف اس لئے کہ باپ کی منظور نظر کو بیٹا اس طرح لے اڑے کہ والد صاحب بس منھ دیکھتے رہ جائیں اور اپنی مطلوبہ کو گھبرا کر بہو کہنے لگیں۔

جس دن میر صاحب کے صاحبزادے یعنی وکیل صاحب نے ہم سے ملنے کے لئے کہا تھا اسی دن ہم اس اسکیم پر صبح سے غور کر رہے تھے اور دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہے تھے کہ کسی طرح یہ صاحبزادے اپنے پدر بزرگوار سے مقابلہ کے لئے تیار ہو جائیں پھر آئے گا مزہ اور واقعی آپ خود غور کیجئے کہ یہ کس قدر عمدہ ترکیب تھی یعنی شیخ عنایت اللہ کو حسب دلخواہ قسم کا داماد مل سکتا تھا خود وکیل صاحب کو ایک قابل رشک بیوی ایک قابل رشک ساس اور ایک قابل رشک خسر مل رہے تھے خود ہم بدستور اپنی منگیتر کے حق میں محفوظ

رہ سکتے تھے پھر سب سے بڑی بات یہ کہ میر صاحب جو اس سلسلہ میں سب سے زیادہ بد قسمت
ثابت ہو رہے تھے ان کو بھی کم سے کم اس خوش قسمتی کا موقع دیا جا رہا تھا کہ ان کی مطلوبہ ان
ہی کے گھر میں آ رہی تھی یہ اور بات ہے کہ بیوی کی حیثیت سے نہیں بلکہ بیٹی یعنی بہو کی حیثیت
سے۔ مختصر یہ کہ ہم اپنی اس لاجواب اسکیم کو اس قابل سمجھتے تھے کہ کتابی صورت میں منتقل
کر کے نوبل پرائز حاصل کرنے کے لئے ولایت بھیجدیں اور دل ہی دل میں اس اسکیم کو
ترقیاں دے رہے تھے کہ وقت مقررہ پر وہ جوان رعنا یعنی میر صاحب کے صاحبزادے
تشریف لے آئے اور ہم نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔

"مجھ کو تو اب شک ہو چلا تھا۔ کہ شاید آپ تشریف نہ لائیں"۔

وکیل صاحب نے اپنے مخصوص انداز سے مسکرا کر کہا۔" جی نہیں یہ کیسے ہو سکتا تھا۔
اوّل تو میں حاضری کا وعدہ کر چکا تھا دوسرے مجھ کو تو خود آپ کی حیرت انگیز اسکیم سننے کا
اشتیاق تھا کہ آپ نے آخر کس طرح ابوجان کو ایک خوشگوار مغالطہ میں مبتلا کیا ہے"۔

ہم نے کہا۔" وکیل صاحب آپ دراصل اُن تکلیف دہ مناظر کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے
جو دن رات آپ کے والد صاحب کے یہاں پیش نظر رہتے تھے اور واللہ یہ دیکھ کر افسوس
ہوتا تھا کہ اس عمر میں یہ حضرت ان رنگ رلیوں میں مبتلا ہیں"۔

وکیل صاحب نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔" جی ہاں وہ تو میں سب سُن ہی چکا ہوں"۔

ہم نے بات کاٹ کر کہا۔" جی نہیں صرف سننے سے آپ اُن ناگفتہ بہ حالات کا اندازہ
ہی نہیں کر سکتے۔ یعنی حد یہ ہے کہ آپ کا مکان بالکل رنڈیوں اور اُن کے دلاّلوں کا گویا
اڈّا بن کر رہ گیا تھا ہر وقت پریوں کے جھُرمٹ میں آپ کے والد صاحب راجہ اندر
بنے بیٹھے رہتے تھے اور یہ دلاّل کالے اور لال دیو کی طرح ہر وقت موجود پھر یہ سب مل کر

اس قابلِ رحم بڈھے کو بیوقوف بناتے تھے۔ روپیہ کا روپیہ لیتے تھے اور سب مل کر گالیاں علٰحدہ دیتے تھے ــــــــ

وکیل صاحب نے گردن جھکا کر کہا۔" افسوس۔"

ہم نے کہا" ان حالات کو جس روحی اذیت کے ساتھ میں دیکھ رہا تھا اس کو میرا ہی دل خوب جانتا ہے بہرحال خداوندکریم نے ایک ایسی صورت پیدا کر دی کہ میں نے بازار کی ان کم خرچ بالانشین عورتوں سے اور ان کے ایجنٹوں سے بہت بڑی حد تک میر صاحب کو آزاد کرا دیا اور ان کو ایک ایسے جھمیلے میں پھنسا دیا ہے کہ وہ کسی اور طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔"

وکیل صاحب نے سراپا گوش ہو کر منھ اُٹھایا گویا وہ اسی بات کے سننے کے لئے بے چین تھے۔ ہم نے کہنا شروع کیا۔

" اتفاق سے ایک روز میر صاحب نے شیخ عنایت اللہ صاحب کی لڑکی کا مجھ سے ذکر کیا کہ وہ اس لڑکی کو اپنے حرم میں لانے کے لئے مدت سے سراپا شوق بنے ہوئے ہیں مگر اس نسبت کو شیخ عنایت اللہ کسی طرح منظور کریں ان کی ایک لڑکی ہے۔ نہایت سلیقہ شعار۔ تعلیمیافتہ۔ سنا ہے کہ خوبصورت بھی ہے پھر دستکار تو ایسی کہ دیکھئے یہ تکیہ کا غلاف اسی کا بنایا ہوا ہے اور یہ لیجئے بٹوہ ملاحظہ فرمائیے۔ ان تمام باتوں کے علاوہ دنیا کا ہر باپ ایسا نہیں ہوتا جو اپنی اولاد کو محض روپے کے لئے بھینٹ چڑھا دے میر صاحب کی جوڑ وہ لڑکی تو خیر کیا ہوتی میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس کی ماں بھی نہیں ہو سکتی۔ قصہ مختصر یہ کہ شیخ عنایت اللہ نے اس تجویز کو ہمیشہ ٹھکرایا مگر میر صاحب کو باوجود ہمیشہ منھ کی کھانے کے خدا جانے کیوں ہمیشہ امید رہی چنانچہ آپ نے مجھ کو

بھی مجبور کر دیا کہ میں شیخ عنایت اللہ صاحب سے ملا اور حسب توقع انھوں نے مجھ کو بھی ٹکا سا جواب دیا مگر میں نے ان کو صحیح معنوں میں دوست بنا کر یہ مشورہ دیا کہ وہ بجائے صاف انکار کرنے کے یہ کہدیں کہ جبتک یہ لڑکی انٹرینس پاس نہ ہو جائے گی جس کو تین سال باقی ہیں اس وقت تک شادی کے مسئلہ پر غور نہیں کیا جاسکتا پھر دیکھا جائے گا چنانچہ وہ بمشکل تمام اس پر راضی ہو گئے اور ادھر میں نے میر صاحب کو تسلی تشفی دیکر مطمئن کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ میر صاحب کو اس خطرہ سے بھی آگاہ کر دیا کہ اب اگر آپ کی رنگ رلیوں کا یہ حال رہا تو لگی لگائی نسبت چھوٹ جائیگی چنانچہ میر صاحب کے یہاں سے اندر کا اکھاڑہ رفتہ رفتہ کر کے اُجڑ گیا ورنہ آپ خود دیکھتے کہ آپ کا گھر کیا ہے ــــــ"۔

وکیل صاحب نے حیرت زدہ صورت بنا کر کہا۔ "تو گویا آپ ان کو ایک امید موہوم پر رکھے ہوئے ہیں اور صرف طفل تسلیاں دے رہے ہیں"۔

ہم نے کہا۔ "جی ہاں کم سے کم میر صاحب سے تین سال کا روزہ تو رکھواہی لونگا اس کے بعد یہ تو ظاہر ہے کہ میر صاحب پھر میری صورت نہ دیکھیں گے۔ مگر اس سے یہ بھی امید ہے کہ شاید وہ اس لغویت میں پھر مبتلا نہ ہوں"۔

وکیل صاحب نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "بخدا میں آپ کا بڑا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس سلسلہ میں فرشتۂ رحمت ثابت ہو کر ان بڑے میاں کو تباہی سے بال بال بچایا ــــــ"۔

ہم نے کہا۔ "جی نہیں شکر گذاری سے کام نہیں چلتا بلکہ آپ کو میرا احسان ایک دوسری صورت میں ادا کرنا ہوگا"۔

وکیل صاحب نے اپنے خوبصورت چہرہ پر تبسم کی لہر پیدا کرتے ہوئے کہا ــــ

"فرمائیے فرمائیے مجھ کو غالباً کسی امکانی صورت میں انکار نہیں ہو سکتا۔"

ہم نے کہا۔" جی نہیں۔ پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ میں آپ کا بہی خواہ ہوں اس کے بعد یہ سمجھئے کہ میں جو کچھ کروں گا آپ کی بھلائی کے لئے کروں گا اور ان تمام باتوں کے بعد یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جو کام میں چاہتا ہوں وہ بظاہر مشکل بھی بہت ہے۔"

وکیل صاحب نے اس معمہ پر غور کرتے ہوئے کہا۔" آخر فرمائیے تو سہی۔"

ہم نے کہا۔" تو آپ کو میری نیک نیتی پر اعتماد ہے نا۔"

وکیل صاحب نے کہا۔" اعتماد اور پورا اعتماد یا والد صاحب قبلہ کی زبان سے کہوں تو بے اعتمادی اور پوری بے اعتمادی۔"

ہم نے کہا۔" اچھا تو سنئے کہ اب آپ کو شیخ عنایت اللہ صاحب کی دامادی میں جانے سے انکار نہ ہونا چاہئیے۔"

وکیل صاحب نے ہکا بکا ہو کر فرمایا۔" جی۔"

ہم نے کہا۔" دیکھئے وکیل صاحب ایسی لائق اور فائق لڑکی ایسی سگھڑ اور تمیز دار، تعلیمیافتہ اور حسین دوشیزہ دراصل آپ کی جوڑ ہے پھر شیخ عنایت اللہ نہایت ہی نیک نفس نہایت شریف اور نہایت عمدہ آدمی ہیں واللہ آپ کو اس گھر میں شادی کر کے جنت کا لطف آجائے گا ــــ۔"

وکیل صاحب نے بات کاٹ کر کہا۔" مگر ــــ۔"

ہم نے بات کاٹ کر کہا۔" مگر وگر کچھ نہیں میں ضمانت کرتا ہوں اور تمام ذمہ داری مجھ پر ہے ــــ۔"

وکیل صاحب نے اپنی پیشانی کا پسینہ پونچھتے ہوئے گھبرا کر کہا۔ "سنئے تو مولانا کہ اس قسم کی باتیں اس طرح نہیں ہوا کرتیں مجھ کو شیخ صاحب کے حالات اور خود شیخ صاحب کی ذات کے مطالعہ کا موقعہ دیجئے اور غور تو کرنے دیجئے۔"

ہم نے کہا۔ "ہاں یہ ممکن ہے مطلب یہ کہ آپ انکار نہ کیجئے۔ اس کے بعد تو آپ کو خود ہی اقرار کرنا پڑے گا۔"

وکیل صاحب سے ہم نے غور کرنے کا وعدہ لیکر ان کو گھبرائی ہوئی حالت میں رخصت کیا اور وہ ہمارے یہاں سے خیالات کی ایک نئی دنیا لئے ہوئے اٹھے

دسواں باب

ادھر تو ہم خدا جانے کیا کیا اسکیمیں تیار کر رہے تھے اور ادھر شیخ عنایت اللہ صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ کا یہ حال تھا کہ وہ ہم کو بلا شرکت غیرے گویا اپنا داماد سمجھ چکی تھیں چنانچہ اس کا اندازہ آپ کو اس ناگہانی واقعہ سے ہو جائے گا کہ یہ خاکسار باوجود دونوں آنکھیں ہونے کے ایک دن روز روشن میں اپنی سائیکل کو ایک موٹر سائیکل کی زد میں زبردستی لاکر ایسا میدان بنا کہ گویا جنگِ عظیم میں شرکت کا موقع ملا تھا چنانچہ اس حادثہ کے بعد جب ہم کو ہوش آیا تو ہم نے اپنے کو خود اپنے ہی گھر پر اس طرح پایا کہ سر پر ایک لمبی چوڑی پٹی بندھی ہوئی تھی اور دو جگہ پیر میں بھی زخم آئے تھے مگر آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ یہ زخم ایسے تھے کہ ہم ان کی ہی وجہ سے بیہوش ہوئے تھے بلکہ بیہوشی کی وجہ تو یہ یقین تھا کہ اب لڑنے والی موٹر سائیکل ہم کو زندہ نہ چھوڑے گی یعنی ہم مارے بہادری کے بیہوش ہو گئے تھے ورنہ ان زخموں میں تو ہم کو کوئی تکلیف ہی محسوس نہیں ہو رہی تھی البتہ ہم لیٹے اس شان سے تھے اور ہماری بالین پر میر صاحب اور ان کے صاجزادے سے لے کر شیخ عنایت اللہ اور دیگر احباب تک اس طرح جمع تھے گویا اب ہم اس جہانی سے آنجہانی ہونے کے متعلق غور کر رہے ہیں چنانچہ جب ہم نے آنکھ کھولی تو شیخ عنایت اللہ کو لیسین شریف پڑھتے ہوئے پایا اور میر صاحب کو اونگھتے ہوئے باقی حضرات بھی نہایت حسرت سے ہم کو دیکھ رہے اور میر صاحب کے صاجزادے ہمارا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے اپنی نباضی کی مشق

بڑھا رہے تھے۔ ہم نے آنکھ کھول کر مسکراتے ہوئے شیخ عنایت اللہ کو اشارے سے سلام کہا۔ انھوں نے جلدی جلدی لیٰسین شریف ختم کر کے ہم پر دم کرتے ہوئے کہا۔

"کیسی طبیعت ہے؟"۔

ہم نے نہایت تندرست آواز میں جواب دیا۔ "الحمدللہ اچھا ہوں"۔

وکیل صاحب نے ہمارا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔ "کوئی بات نہیں دماغ سے خون زیادہ گرا ہے اس لئے کمزوری بڑھ گئی ہے اب سب لوگ یہاں سے ہٹ جائیں اور آپ اطمینان کے ساتھ آرام کرنے دیں یہی ڈاکٹر کا مشورہ بھی ہے کہ زیادہ آپ سے بات چیت نہ کی جائے"۔

میر صاحب نے فرمایا۔ "خدا نے بڑی خیریت کی، اب آ کچھ مقویات استعمال کرنا چاہئیں"۔

وکیل صاحب نے پھر کہا۔ "اچھا اب چلئے حضرات یہاں سے"۔

چنانچہ سب رفتہ رفتہ کھسک گئے صرف شیخ عنایت اللہ صاحب ہماری تیمارداری کے لئے بیٹھے رہے اور تولیہ سے پنکھیاں جھلتے رہے۔

ہم نے ان کے ہاتھ سے تولیہ لیتے ہوئے کہا۔ "خواہ مخواہ مجھ کو بیمار بنائے دیتے ہیں میں بالکل اچھا ہوں"۔

شیخ صاحب نے بزرگانہ شفقت سے ہمارے ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔ "خدا گواہ ہے کہ کل شب سے گھر میں چولھا نہیں جلا بیوی کا تو یہ حال ہے کہ مچھلی کی طرح تڑپ رہی ہیں خود یہاں چلی آتی تھیں بمشکل تمام ان کو روکا ہے مگر اب میں سب سے پہلے ان کو یہ خوشخبری سنانا چاہتا ہوں کہ تم ماشاءاللہ ہوشیار ہو گئے ہو لہذا پانچ منٹ میں ابھی واپس آیا"۔

یہ کہہ کر شیخ صاحب نے ملازم کو بلا کر ہدایت کی کہ وہ اس وقت تک یہیں موجود رہے جبتک کہ وہ پھر واپس نہ آجائیں اور یہ ہدائتیں کر کے چلے گئے۔ شیخ صاحب کے جانے کے بعد ہم نے آنکھ بند کر کے ان کی حد سے بڑھتی ہوئی محبت پر غور کرنا شروع کر دیا اور اسی خوشگوار تخیل میں اسوقت تک ڈوبے رہے جبتک کہ کمرے میں کسی کے پیر کی چاپ نہیں معلوم ہوئی ہم نے پیر کی چاپ سن کر نیم باز آنکھوں سے دیکھا کہ شیخ صاحب مع ایک برقعہ پوش کے موجود ہیں اور ملازم سے اشارے اور کانا پھوسی ہو رہی ہے۔ ملازم نے چپکے سے کہا۔

"آپ کے جاتے ہی آنکھیں بند کر لی تھیں"۔

شیخ صاحب نے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر کہا۔ "اچھا تم جاؤ اور یہاں کسی کو نہ آنے دینا کہدینا زنانی سواریاں ہیں۔"

یہ کہہ کر شیخ صاحب نے ملازم کو ادھر رخصت کیا اور اُدھر اپنی بیگم صاحبہ کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود ہماری مسہری کے پاس کرسی پر تولیہ لیکر بیٹھ گئے۔

شیخ صاحب کی بیگم صاحبہ نے بھی ایک کرسی پر بیٹھ کر برقعہ کا نقاب الٹ دیا اور ہمارے چہرے پر نگاہیں جما دیں لہذا ہم نے بھی اپنی نیم باز آنکھیں بالکل بند کر لیں۔ تھوڑی دیر تک تو بالکل سکوت رہا اس کے بعد شیخ صاحب کی بیگم صاحبہ نے کانا پھوسی کے انداز میں کہا۔

"یہ سو رہے ہیں یا بیہوش ہیں۔؟"

شیخ صاحب نے اسی انداز سے کہا۔ "میرے خیال میں تو کمزوری کی وجہ سے کچھ غنودگی ہے یہ تو نیند ہے نہ بیہوشی۔"

ان کی بیوی نے کہا۔ "خدا نے جان ہی بچالی۔ کل سے تو یہ دل کا حال ہے کہ کسی صورت قرار ہی نہیں تھا۔"

شیخ صاحب نے کہا۔ "کچھ کھایا بھی تم نے"۔

بیوی نے کہا۔ "کیسا کھانا اور کیسا پینا تمبا کو تک کھائی نہیں ادھر ثریا کا یہ حال ہے کہ ایک چپ سی لگ گئی ہے۔"

واللہ اس حادثہ کے ماتحت جس قدر بھی خون گرا تھا وہ صرف اس جملہ نے بڑھا دیا آپ خود ہی غور کیجیے کہ ایک غیر شادی شدہ جوان آدمی کو جب یہ خبر ہو کہ ایک اعلیٰ درجہ کی دوشیزہ اس کے لئے اس قدر بے چین ہے تو اسکے تولید خون کا کیا حال ہو سکتا ہے۔

شیخ صاحب نے چپکے سے کہا۔ "کیا اس نے بھی کچھ نہیں کھایا۔"

بیوی نے کہا۔ "ارے کہہ تو رہی ہوں کہ وہ نگوڑی تو زبان سے بھی کچھ نہ کہہ سکی بس چپ چپ سی رہی جب کھانے کو کہا۔ تو سر کے درد کا بہانہ کر کے ٹال گئی ادھر اُدھر چھپ چھپ کر روتی پھرتی تھی نماز میں تو میں نے خود اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔

شیخ صاحب نے کہا۔ "آخر کیوں؟"

بیوی نے منھ پھیر کر غصہ سے کہا۔ "اونہہ۔"

شیخ صاحب نے کہا۔ "کیا کہا؟"

بیوی نے کہا۔ "کچھ نہیں میں تم سے کچھ نہیں کہہ رہی ہوں بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں کہ آخر کیوں؟"

یقیناً اگر اس وقت ایک بیہوش بیمار کا شیخ صاحب کی بیوی کو خیال نہ ہوتا تو شیخ صاحب قبلہ بھی کیا یاد کرتے کہ جورو رکھتے تھے۔ ادھر تو وہ دونوں میاں بیوی جنگ عظیم میں

چکے چکے مصروف تھے اور ادھر ہم اپنے متعلق ثریا کے جذبات معلوم کرنے کے بعد جس عالم میں پڑے ہوئے تھے اس عالم کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اللہ اللہ ہمارے متعلق ایک نازک اندام، ایک مقدس جوانی، ایک ملکوتی حسن کے یہ یہ جذبات اور وہ اس قدر مضطرب ہے کہ اس کی فردوس آفریں آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں واللہ اس وقت خود اپنے اوپر رشک آرہا تھا اور مارے خوشی کے مر جانے کو دل چاہتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ آج ہم کو اپنی قدر وقیمت کا زندگی میں پہلی مرتبہ اندازہ ہوا کہ ہم بھی کس قدر قیمتی جنس ہیں ایسے قیمتی کہ ہمارے لئے حسین چہرے مضمحل ہو سکتے ہیں گلاب سے رخسار کمہلا سکتے ہیں جادو بھری نگاہیں حسرت برسا سکتی ہیں اور غزالی آنکھوں سے آنسو گر سکتے ہیں۔ وہ ہمارے لئے آنسو بہائیں۔ ع۔

براین مژدہ گر جاں فشانم رواست

ہم ان ہی خوشگوار خیالات میں کھوئے ہوئے گویا جنت کی سیر کر رہے تھے کہ یکایک ناک میں ایک بدتمیز مکھی نے گھس کر ہمارے اس خیالی شیش محل کو ایک چھینک کے ساتھ توڑ دیا اور ہم کو مجبوراً آنکھیں کھول دینا پڑیں۔ ادھر ہم نے آنکھیں کھولیں اور ادھر شیخ صاحب کی اہلیہ معظمہ نے غڑاپ سے اپنا برقعہ درست کرتے ہوئے ہماری طرف پشت کر لی ہم نے شیخ صاحب کو دیکھ کہا۔ "آپ آگئے۔"

شیخ صاحب نے ہمارے منھ کے قریب جھک کر فرمایا۔ "ہاں میں بھی آیا ہوں اور وہ بھی" ہم نے شیخ صاحب کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کون؟ بھابی صاحبہ ہیں ارے آپ ان کو کیوں لے آئے۔ آداب عرض بھابی صاحبہ۔"

شیخ صاحب نے بھی کچھ کہنے کی کوشش کی اور ان کی بیوی نے بھی آخر بیوی کا پلہ

بھاری رہا یعنی شیخ صاحب چپ ہو گئے اور ان کی بیوی نے کہا۔" آداب عرض، کہیئے

اب طبیعت کیسی ہے آپ نے تو کل سے دل ہی ہلا رکھا ہے۔"

ہم نے کہا۔" آپ کی دعا سے ہیں تو بالکل اچھا ہوں۔"

شیخ صاحب نے کہا۔" کسی طرح مانتی ہی نہیں تھیں آخر خود ہی آگئیں اب اطمینان

ہوگا ان کو رات بھر ٹہلا کیں۔"

بیوی نے کہا۔" خیر اب تم سے کون کہتا ہے کہ پوری رام کہانی سنا جاؤ (ہم سے

مخاطب ہو کر) اگر کوئی مضائقہ نہ ہو تو جبتک طبیعت صاف نہیں ہوتی ہے ہمارے

ہی یہاں چلے آیئے۔"

شیخ صاحب:" ارے ہاں یہ تجویز تو بہت عمدہ ہے یہاں آپ کی نہ تیمارداری

ہو سکتی ہے نہ آپ کو آرام مل سکتا ہے۔"

ہم نے کہا۔" بھابی صاحبہ مجھ کو آپ کے یہاں آنے میں بھلا کیا عذر ہو سکتا ہے

مگر بیماری کی وجہ سے اگر آپ بلانا چاہتی ہیں تو یقین جانئے کہ میں بالکل اچھا ہوں

معمولی سی چوٹ ہے اور کچھ نہیں یہ شیخ صاحب قبلہ نے مارے محبت کے بات کا

بتنگڑ بنا دیا ہے۔ اور بھی سنا آپ نے صبح میرے سرہانے بیٹھے لیسین شریف پڑھ رہے تھے"

بیوی نے بات کاٹ کر کہا۔" ان کو تو بس بدشگونیاں آتی ہیں خدا نہ کرے آپ

کے لئے لیسین شریف پڑھی جائے آپ کے دشمن مدعی ایسے بیمار ہوں دو رپا چھپائیں

پھوئیں مدعی۔ ان کا کیا ہے عقل ہوتی تو آج ایسے کیوں ہوتے انسان میں بس حواس

ہی تو ایک چیز ہے۔"

شیخ صاحب پر جو یہ جھڑپ پڑی تو ہم کو بیساختہ ہنسی آگئی اور ان کی بیوی نے پھر کہا۔

"جی ہاں میں سچ کہتی ہوں کہ یہ کبھی عقل سے کوئی کام نہیں لیتے۔ خیر ان کو چھوڑیئے اب آپ یہ کہیئے کہ آپ چلتے ہیں ہمارے یہاں۔"

دراصل ثریا کے جذبات کا علم ہو جانے کے بعد ہم خود یہ چاہتے تھے کہ اس سے جس قدر بھی قربت رہے اچھا ہے یہ ہماری خام کارانہ حماقت اور جوانی کی گمراہی تھی کہ اگر ہمارے دل میں ثریا کے ساتھ عقد کا خیال نہ تھا تو اس کے ان جذبات سے اثر لینا کیا معنی مگر کچھ بھی ہو ہم شیخ صاحب کے یہاں جانے کے لئے تیار ہو گئے چنانچہ ان کی بیوی سے کہدیا کہ "جی ہاں چلنے کو تیار ہوں۔"

شیخ صاحب یہ سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور ان کی بیوی نے ان کو فوراً فینس لانے کی ہدایت کر دی حالانکہ ہم نے رد کا بھی مگر تھوڑی ہی دیر میں دلہنوں کی طرح فینس میں بیٹھ کر رخصت ہو گئے۔

گیارھواں باب

ہم کو شیخ صاحب کے اسپتال میں بحیثیت مریض کے داخل ہوئے تین چار روز گذر چکے تھے اور واللہ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اسپتال میں نہیں داخل ہوئے ہیں بلکہ سائیکل والے حادثہ کے بعد مر گئے ہیں اور مر کر ہم کو جنت میں جگہ ملی ہے ہر وقت شیخ صاحب ہماری تیمار داری فرماتے تھے اور اب تو ان کی بیوی سے بھی بس کا نا پردہ رہ گیا تھا بلکہ ایک آدھ مرتبہ تو ہم نے ثریا کی بھی جھلک دیکھ لی تھی مختصر یہ کہ ہم تو یہی دعا کرتے ہیں کہ خداوند کریم اپنے ہر بندہ کو ہماری طرح سائیکل سے اسی طرح گرائے اور اس کی ایسی ہی تیمار داری ہو یقین جانئے کہ اگر ہم دس روپئے مہینہ اور کھانا دیکر بھی کوئی ملازم رکھتے تو وہ ایسا اطاعت شعار ایسا نمک خوار اور ایسا خدمت گزار نہ ہوتا جس قدر شیخ عنایت اللہ صاحب قبلہ ثابت ہو رہے تھے پھر ان کی بیوی کا یہ حال کہ کیا کوئی اپنی اولاد کے لئے ایسا بیچین ہو گا یہانتک کہ بیچاری سے جب کا نا پردہ بھی نبھ نہ سکا تو ایک دن شیخ صاحب کے سامنے ہی کہنے لگیں:-

"اگر میں یہ چاہوں کہ میں رہوں پردہ میں اور تم ہی سے ان کے سب کام نکل جائیں تو یہ ناممکن ہے تم تو ان بیچارے کو بیماری میں ہلکان کر ڈالو"

شیخ صاحب نے کہا "میں نے آخر کیا کیا۔ یہ اور بات ہے کہ تم کو ہر بات میں جس کا مجھ سے تعلق ہو کیڑے پڑے ہوئے نظر آتے ہیں اور جبتک خود دخل در معقولات

نہ کرو اطمینان ہی نہیں ہوتا۔"

بیوی نے کہا۔" اچھا دخل در معقولات ہے تو یہی سہی مگر ذرا تم خود دیکھو کہ منھ اٹھائے ہوئے انار کا عرق نکال رہے ہو اور جو کوئی مکھی گر جائے تو۔"

شیخ صاحب نے نیچے دیکھ کر کہا۔" ارے لاحول ولاقوۃ واقعی دو مکھیاں گر گئیں"۔

ان کا یہ کہنا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی "کھل کھل کھل" یہ ثریا بیگم کی لطیف اور پھول برسانے والی بلکہ ہمارے لئے آب انار سے بھی زیادہ مفرح ہنسی تھی۔

خود ہم کو بھی ہنسی آرہی تھی اور شیخ صاحب کی بیگم کا یہ حال تھا کہ بس اپنے نالائق شوہر پر دانت پیس رہی تھیں مگر بیچاری نے کچھ کہا نہیں اس لئے کہ یہ ان کا انتہائی غصہ تھا کہ خفا بھی نہ ہوں آخر شیخ صاحب نے مکھیاں نکالتے ہوئے خود کہا۔" واللہ بعض اوقات تم ایسی بات کہہ دیتی ہو کہ پتھر کی لکیر بن کر رہ جاتی ہے۔

بیوی نے جھنا کر کہا۔" میرے کہنے سے مکھیاں گری ہیں یا تمھاری حرکتوں کی وجہ سے۔ اور پھر اُسی میں باقی انار کا عرق بھی نکالا جا رہا ہے۔ لاؤ اِدھر چھوڑو تم سے بھلا کوئی کام ہو سکتا ہے۔"

شیخ صاحب نے چپکے سے پیالہ اور انار بیگم کو دیتے ہوئے کہا۔" اندر دے آؤ ثریا عرق نکال دے گی۔"

ہم نے کہا۔" مگر اس آبِ انار کی ضرورت ہی کیا ہے میں کیا ایسا کمزور ہوں کہ مجھکو آب انار طاقت کے لئے دیا جائے۔"

شیخانی صاحبہ نے کہا۔" نہیں کمزور جیسے نہیں بھی ہیں ذرا اپنا رنگ تو دیکھئے کہ ہلدی کا ایسا زرد ہو کر رہ گیا ہے آج بھی جب ڈاکٹر سے ہم نے پوچھا تو اس نے

کہاکہ دل اور دماغ دونوں کمزور ہیں۔"

شیخ صاحب نے کہا۔" اجی نہیں آپ اچھے ہیں اب ماشاءاللہ۔"

بیوی نے پھر ٹانگ لی۔" اونہہ تمھاری نظر کا کیا کہنا ——

وہ یہ کہہ ہی رہی تھیں کہ ہم نے تولیہ اٹھاکر اپنے بستر کی مکھیاں غیرارادی طور پر جو اڑائیں تو ایک دم سے شیخانی صاحبہ مدظلہا نے اپنا کانا پردہ بھی غائب کر دیا اور بڑھ کر ہمارے ہاتھ سے تولیہ لے لیا۔ ادھر شیخ صاحب کا یہ حال کہ بیوی کی اس ادا پر ہنسی کے مارے لوٹ گئے' اس لئے کہ دراصل وہ خود برسوں سے مصر تھے کہ پردہ وردہ چھوڑ دو مگر بیوی یہی کہتی تھیں کہ پردہ تھوڑی ہے ذرا آنکھ کا لحاظ ہے بہر حال آج جو بیوی نے اس آنکھ کے لحاظ کو بھی ہم پر قربان کیا تو میاں کا مارے ہنسی اور مارے خوشی کے بُرا حال تھا۔ شیخانی صاحبہ کی اس حرکت پر ہماری آنکھیں خود بخود جھک گئیں اور واقعی ہم کچھ شرما سے گئے۔ ہمارے اس شرمانے پر شیخ صاحب کو اور بھی ہنسی آئی آخر بیوی نے ایک ڈانٹ بتائی۔

" ارے ہاں میں جبتک پردہ کئے جاؤں گی یہی ہوگا کہ بیمار اپنے ہاتھ سے مکھیاں اُڑائے اور تیمار دار بیٹھے ہوئے ہنسیں آخر یہ موئی بے تکی ہنسی کس بات کی ہے؟"

شیخ صاحب نے بیوی کے بگڑے ہوئے تیور جو دیکھے تو سنبھل کر بولے" ارے بھائی تم پر تھوڑی ہنس رہا ہوں مجھ کو تو ان کے شرمانے پر ہنسی آرہی ہے۔"

بیوی نے کہا۔" سب شریف زادے ایسے ہی شرمیلے ہوتے ہیں تمھاری طرح تھوڑی۔"

بیوی کی بات کاٹ کر بولے۔" یعنی میں —— میں نے کیا کیا —— کس کو گھورا —— دیکھو مجھ کو اس طرح بدنام نہ کیا کرو۔"

آخر بیچاری وہ بھی ہنس دیں اور ہم تو مارے ہنسی کے چار پائی پر اچھل ہی رہے تھے مختصر یہ کہ اس قسم کی دلچسپیوں میں ہمارا وقت گزر رہا تھا کہ ایک اور قصہ افسانہ از افسانہ می خیزد بن کر پیدا ہوگیا۔ ہوا یہ کہ جس روز شیخ صاحب کی اہلیہ محترمہ نے اپنا پردہ ہم سے اٹھایا ہے اسی رات کو شاید ایک یا ڈیڑھ بجے کے قریب ہم کو پیشاب کے لئے اٹھنا پڑا۔ ڈاکٹر کا حکم یہ تھا کہ ہم چار پائی سے نہ اٹھیں اور تمام ضروریات چارپائی پر پوری ہوں مگر اس وقت ہم کو چار پائی کے آس پاس پس پاٹ کہیں نہ ملا لہذا ہم نے خود ہی اٹھ کر غسل خانہ میں جانا چاہا مگر اٹھتے ہی ایک دم میں سر چکرا گیا اور ہم کو پھر کچھ خبر نہ رہی کہ ہم کیا ہو گئے ——— خدا جانے کتنی دیر کے بعد آنکھ جو کھلی تو دیکھتے کیا ہیں کہ ہم چار پائی کے پاس ہی زمین پر پڑے ہیں اور ثریا نہایت متوحش انداز کے ساتھ پنکھا جھل رہی ہیں۔ ہم نے اُٹھنے کی کوشش جو کی تو وہ ایک دم سے اُچک کر یہ جا اور وہ جا مگر اب ہم ڈر کے مارے اٹھتے نہیں ہیں کہ اٹھے اور سر چکرایا اسی کے ساتھ اپنی اس حماقت پر بھی ہم کو افسوس ہو رہا تھا کہ ہم نے اس قدر جلد اُٹھنے کی کوشش کیوں کی ذرا دیر اور چپکے پڑے رہتے اور تیمارداری کی اس لطیف ترین قسم کا بھی تجربہ حاصل کر لیتے۔ بہر حال اس امید پر کہ "ایک بار دیکھا ہے اور پھر دیکھنے کی تمنا ہے"۔ ہم پھر آنکھ بند کر کے لیٹ گئے اور دل ہی دل میں یہ فقیرانہ صدا بلند کرنے لگے کہ "بھیج اللہ بھیج" ایک منٹ دو منٹ ہوگئے مگر ہم بجنسہ پڑے ہوئے ہیں۔ کمرہ میں سناٹا ہے اور گھڑی ٹک ٹک کر رہی ہے مگر امید تو بری بلا ہے لہذا پڑے رہے آخر پردہ کو جنبش ہوئی اور دبے پاؤں وہی ——— ہاں وہی ہماری تیمار دار نہیں بلکہ مسیحا صاحبہ تشریف لائیں اور ہم کو غور سے دیکھ کر پھر بیٹھ گئیں

اپنا وحشت زدہ چہرہ لئے ہوئے گھبرا گھبرا کر ہمارے منھ پر پانی ڈالنا اور پنکھا جھلنا شروع کیا۔ اِدھر ہم نے یہ کیا کہ چپکے چپکے ہاتھ بڑھا کر ان کا دوپٹہ پکڑ لیا اور جب پوری پکڑنے میں کامیاب ہو گئے تو مسکرا کر آنکھیں کھول دیں۔ ادھر ہم نے آنکھیں کھولیں اُدھر انھوں نے پھر جست کرنا چاہی مگر دوپٹہ ہماری پوری گرفت میں تھا لہذا چوکڑی بھر کر رہ گئیں اور ایک نہیں سُنی۔ چیں، نما آواز میں فرمایا۔ "چھوڑیے۔"

ہم نے کہا۔ "چھوڑوں گا بعد میں پہلے مجھ کو بستر پر پہونچائیے۔"

منھ پھیر کر جواب دیا گیا۔ "امی کو بھیجتی ہوں۔"

ہم نے کہا۔ "جی نہیں آپ نے کیوں مجھ کو ہوش میں لانے کی کوشش کی۔"

ارشاد ہوا۔ "چھوڑیئے۔"

ہم نے کہا۔ "اگر میں خود بستر پر گیا تو پھر گر پڑوں گا لہذا۔ براہ عنایت آپ مجھ کو اٹھائیے۔"

جواب ندارد۔ لہذا ہم دوپٹہ پکڑے پکڑے خود اٹھے اور اٹھ کر جو دانستہ گرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کے ہاتھ ہماری بغل میں موجود اور ادھر ہماری دونوں بغلیں بند گویا وہ بالکل گرفتار ہم تو خیر بستر پر پہونچ گئے مگر ان کا یہ حال گویا چڑیا کی دم ہمارے ہاتھ میں تھی اور وہ پھڑ پھڑا کر پرواز کی ناکام کوشش کر رہی تھی ہم نے کہا:۔

"آخر اس وحشت کے معنی کیا ہیں اور اگر ایسی ہی وحشت تھی تو سرکار تشریف ہی کیوں لائی تھیں۔"

جواب ملا "چھوڑیئے!"

ہم نے کہا۔" پہلے ہماری بات کا جواب دو جی۔"

جواب ملا۔" آپ گر پڑے تھے۔"

ہم نے کہا۔" پھر آپ سے کیا؟"

جواب ملا"۔ چھوڑ دیجئے۔"

ہم نے کہا۔" جس وقت تک تم یہ نہ بتاؤ گی کہ تم بغیر اپنی ماں اپنے باپ اور خود میری اجازت کے میرے پاس کیوں آئیں اسوقت تک چھوڑی نہ جاؤ گی۔"

جواب میں دوپٹہ کو ایک جھٹکا دیا گیا اور پھر وہی" چھوڑیئے"۔

ہم نے کہا۔" اوں ہنہہ۔"

کچھ الجھی ہوئی سانسوں کے ساتھ ارشاد ہوا۔" اب نہیں آؤں گی چھوڑ دیجئے۔"

ہم نے کہا۔" آپ اب نہیں آئیں گی۔ اب تو میں اور بھی نہ چھوڑوں گا۔"

جواب ملا۔" مجھے جانے دیجئے۔"

ہم نے کہا۔" مگر آپ تو اب آئیں گی نہیں لہذا میں آپ کو جانے ہی کیوں دوں۔"

وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھیں کہ اندر بلّی نے کسی برتن کو اس نامعقول طریقہ پر گرایا کہ ان کا دوپٹہ ہمارے ہاتھ سے خود بخود چھوٹ گیا اور وہ تیر کی طرح اندر۔"

بارھواں باب

صحت کے بعد کوئی کب تک اسپتال میں رہ سکتا ہے اور تندرست کی تیمارداری آخر کون کر سکتا ہے۔ یہ تھے وہ خیالات جو ہمارے دماغ میں چکر کھا رہے تھے مگر ایک طرف تو ثریا کی کشش نے ہم کو شیخ صاحب کے درِ دولت پر گویا باندھ دیا تھا اور دوسری طرف شیخانی صاحبہ مدظلہا کی مدارات کے مارے یہ دل نہ چاہتا تھا کہ ہم یہاں سے چلے جائیں مگر سنجیدگی سے غور کرنے کے بعد ہم نے یہی فیصلہ کیا کہ اب ہم کو جلد سے جلد شیخ صاحب کا مکان خالی کر دینا چاہئے اس لئے کہ اول تو میر صاحب کو ہمارے اس طول طویل قیام سے بجا طور پر یہ کہنے کا حق حاصل ہو گا کہ۔ ع

باغ کے مزدور ہی اچھے رہے شداد سے

دوسرے خدا جانے ان کے ذہن میں کیا بدگمانی پیدا ہو جائے اور یہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے اس کے علاوہ جب دراصل ہم ثریا کے اور ثریا ہماری نہیں ہو سکتی تو اس غریب کو اس طرح فریب دینا ظلم تھا اور خود اپنے اوپر بھی یہ ظلم تھا کہ ثریا سے بے تکلفی بڑھ رہی تھی اور مذاق ہی مذاق میں ہر قدم پر عشق نے ناگہانی حملہ کا اندیشہ تھا مختصر یہ کہ ہر حیثیت سے خیریت اسی میں نظر آتی تھی کہ ہم یا حسرت و یاس اس جنت سے اپنے غریب خانہ تشریف لے جائیں چنانچہ اسی کے متعلق غور کر رہے تھے کہ شیخ صاحب نے ایک لفافہ دیتے ہوئے کہا:۔

"آپ کے میر صاحب کا ملازم یہ خط لایا ہے۔"

شیخانی نے کہا "اسی موئے لنگور کا خط ہے؟"

ہم نے "ہاں" کہتے ہوئے لفافہ کھولا۔ یہ خط واقعی میر صاحب ہی کا تھا۔ لکھتے ہیں:

سرکار۔ سچ کہا ہے کسی نے۔ ع

ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

امید ہے کہ اب مزاج عالی بخیر ہوگا بلکہ عرش معلیٰ پر ہوگا مگر حضور

ہم نیازمندوں کا بھی کوئی حق ہے آخر کب تک۔ دیدار کے لئے ترسیں

گے اپنی خیریت سے مطلع کیجئے اور یہ فرمائیے کہ کب تک زیارت ہوگی ؎

تم وہاں ہو جہاں سے ہم کو بھی　　اب تمہاری خبر نہیں آتی

آپ کا طالب دیدار

ہم نے خط پڑھ کر ہنستے ہوئے جواب لکھنے کو میز کی طرف ہاتھ بڑھا دیا ہی تھا کہ

شیخانی صاحبہ نے کہا:

"آخر کیا لکھا ہے۔"

ہم نے کہا۔ "پڑھ لیجئے آپ خود کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

شیخانی صاحبہ نے میر صاحب کا خط اٹھا کر پڑھنا شروع کیا اور ہم نے جواب

لکھنا شروع کیا:۔

محترم و معظم جناب میر صاحب قبلہ ——

شیخانی صاحبہ نے خط پڑھتے پڑھتے کہا۔ "مونڈی کاٹے۔"

شیخ صاحب نے کہا۔ "کیا ہے؟"

ہم بھی خط لکھتے لکھتے شیخانی صاحبہ کی طرف متوجہ ہو گئے ـــــ انھوں نے کہا۔

"موا لکھتا ہے کہ"۔ مگر

ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

یعنی اس مردے کو بجائے ان کے یہاں ہونا چاہئے تھا۔ دیکھو تو اس خبیث کی باتیں۔"

شیخ صاحب نے کہا۔" بڑا ملعون ہے یہ بد معاش بھی۔"

ہم نے ہنستے ہوئے پھر لکھنا شروع کیا:۔

ـــــ تسلیم۔ عنایت نامہ موصول ہو کر ـــــ

شیخانی صاحبہ نے پھر فرمایا۔" تو خود موئے عرش معلیٰ پر ہو گا۔ دیکھو تو کیسا اس کمبخت نے کوسا ہے مرے اللہ کرے یہ۔"

شیخ صاحب نے چشمہ لگاتے ہوئے کہا۔" کیا۔ کیا۔ کیا لکھا ہے اس اُلو کے پٹھے نے۔"

ہمارا قلم پھر رک گیا۔ شیخانی صاحبہ نے کہا۔ موا لکھتا ہے کہ مزاج عالی بخیر ہو گا بلکہ عرش معلیٰ پر ہو گا۔"

شیخ صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔" نہیں یہ مطلب نہیں ہے اس کا۔"

شیخانی صاحبہ نے گھور کر شیخ صاحب کی طرف جو دیکھا تو وہ لگے جلدی جلدی سلیس اُردو میں میر صاحب کے جملہ کا ترجمہ کرنے کہ۔" مطلب یہ ہے اس جملہ سے کہ تم وہاں ہو تو تمھارا دماغ آسمان پر ہو گا گویا یہ بھی ایک چوٹ کی ہے۔"

شیخانی صاحبہ نے گردن ہلا کر کہا۔" خیر کوسنا نہ سہی چوٹ سہی مگر دیکھو تو کی بدمعاشی

مواکمینہ کہیں کا۔"

شیخ صاحب نے کہا۔" ارے کمینہ تو ہے ہی۔"

ہم نے پھر ہنستے ہوئے لکھنا شروع کیا۔

——باعث اعزاز ہوا۔ آپ کے خلوص کا شکریہ۔ میں اب بفضلہ تقریباً کیا بلکہ بالکل اچھا ہوں مگر شیخ صاحب کا اصرار ہے کہ جبتک وہ مجھ کو مقویات استعمال کراتے کراتے رستم ہند گاما پہلوان کی جوڑ بلکہ پھڑکتی ہوئی جوڑ نہ بنا دیں گے اس وقت تک اپنے در دولت سے جانے نہ دیں گے بہر حال میں آج اجازت حاصل کرنیکی کوشش کروں گا اور امید ہے کہ اجازت مل جائے تو جناب سے نیاز حاصل کروں گا——

ہم یہیں تک لکھنے پائے تھے کہ شیخانی صاحبہ نے پھر کڑک کر کہا۔" کہاں گئے۔ یہ دیکھو کوسنا نہیں تو اور کیا ہے۔"

شیخ صاحب جلدی جلدی عینک اور کان کا موازنہ کرتے ہوئے دوڑے۔ "کیا لکھا ہے۔ کیا لکھا ہے۔"

شیخانی صاحبہ نے کہا۔" دیکھو لکھا ہے اس مردے نے کہ جیسے خدا نہ کرے ؎

تم وہاں ہو جہاں سے ہم کو بھی اب تمھاری خبر نہیں آتی

مواخود ایسی جگہ ہوگا۔"

شیخ صاحب نے شعر پڑھ کر اس کے مفہوم کے متعلق غور کیا اور پھر ذرا متبسم ہوکر بولے۔" یہ اس کی بدتمیزی ہے کہ ایسا شعر لکھا جس کا مفہوم یہ منحوس خیال بھی

ہو سکتا ہے مگر در اصل اس کا مطلب یہ ہے کہ تم چونکہ شیخ صاحب کے یہاں ہو اور وہاں میں خود نہیں آسکتا اور نہ وہاں سے آزادانہ نامہ و پیام کر سکتا ہوں لہذا تمھاری خیریت نہیں ملتی۔"

شیخانی نے کہا" ہوگا یہ مطلب مگر کیا یہ بدشگونی نہیں ہے ایسے شعر لکھنا۔"

ہم نے گردن جھکا کر لکھا"۔ یار زندہ صحبت باقی۔ آپ کا خادم۔ اور لفافہ میں خط رکھ کر بھیجنا چاہتے تھے کہ شیخانی صاحبہ نے لفافہ لیتے ہوئے کہا" لاؤ پہلے میں دیکھوں اس کو۔"

ہم نے لفافہ ان کی طرف چپکے سے بڑھا دیا اور شیخ صاحب بھی چشمہ لگا کر اپنی بیگم صاحبہ کے کندھوں کے اوپر سے خط پڑھنے لگے۔

بیوی نے خط پڑھتے پڑھتے کہا" اور کیا؟۔"

میاں بولے۔" اے سبحان اللہ۔"

بیوی نے کہا" اوں ہونہہ۔"

میاں نے گردن ہلا کر کہا۔" جی نہیں"۔

یہ باتیں گویا ہمارے خط سے ہو رہی تھیں شیخانی صاحبہ نے خط پڑھ کر ہم سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا" تو آپ اجازت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہاں بیشک تکلیف تو آپ کو یہاں بہت ہے۔"

ہم نے صحیح معنوں میں شرمندہ ہوئے بغیر کہا۔" ارے لاحول ولاقوۃ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں مجھ کو بخدا اپنی ماں اور اپنے باپ کے پاس بھی اتنا ہی آرام مل سکتا تھا جو آپ کے یہاں ملا مگر دیکھئے نا کہ میرے یہاں زیادہ رہنے سے خدا جانے

دنیا کن کن شبہات میں مبتلا ہو۔ اور کیا کیا خیال لوگ قائم کر لیں اور خصوصاً میر صاحب اور ان کی جماعت میرا یہاں رہنا گوارا کر ہی نہیں سکتی۔"

شیخ صاحب نے خانصاحبوں والی شان پیدا کرتے ہوئے کہا۔" اجی اس بدمعاش کی ایسی تیسی۔"

شیخانی صاحبہ نے کہا۔" آپ کو دنیا کا ڈر ہے تو ہو مگر ہم لوگ تو ان دنیا کے کتوں کے بھو کنے کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتے۔"

ہم نے کہا۔" پھر بھی اب آخر میں کب تک رہے جاؤں گا۔"

شیخ صاحب نے کہا۔" کون سے سال دو سال ہو گئے جو یہ سوال اٹھ رہا ہے۔ خط آپ شوق سے بھیجد بجئے اور کل پھر لکھ دیجئے گا کہ اجازت نہیں ملی۔"

شیخانی صاحبہ کو پہلی مرتبہ اپنے شوہر کی یہ تجویز پسند آئی چنانچہ ہنس کر بولیں۔" ہاں ہاں تم یہی کرو اور نوکر کو دخان کرو۔"

مختصر یہ کہ ہم کم سے کم آج تو یوں بچا رہ گئے بغیر اجازت کے لہذا آج پھر ہم کو رات کی یاد نے ستانا شروع کیا کہ کسی طرح رات آئے اور ہم گریں اور کوئی ہم کو اٹھائے وغیرہ ان ہی شیریں اور لطیف خیالات میں کروٹیں لے کر تمام دن گزار دیا اور چراغ جلنے کے بعد سے یہ عالم ہو گیا کہ گویا ؎

ایسا بے خود کیا شوقِ شبِ تنہائی نے
صبح سے شمع جلادی ترے سودائی نے

کے بجائے یہاں یہ عالم تھا کہ ؎

ایسا بے خود کیا شوقِ شبِ یکجائی نے — شام سے شمع بجھادی ترے سودائی نے

یعنی ہم نے کچھ درد سر وغیرہ کا بہانہ کر کے سر شام ہی سے روشنی کم کرادی اور خاموش لیٹ رہے تاکہ سب کو اس کا خیال رہے کہ آج ہم کو جلد تنہا چھوڑ دیں چنانچہ یہی ہوا کہ سب نے ہم کو نو ہی بجے سے سونے کی ہدایت کر کے تنہا چھوڑ دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا دس بجے کے بعد ہی تمام گھر خرّاٹے لینے لگا۔ اِدھر اپنا یہ عالم کہ آنکھیں پھاڑے ہوئے کسی کے منتظر ہیں مگر نہ پلک جھپکتی ہے۔ نہ کوئی آتا ہے۔ گیارہ بجے۔ بارہ بجے ایک بجا۔ یہانتک کہ اب ہمارا ارادہ ہوا کہ اٹھ کر گریں مگر اس خیال کے ساتھ ہی خدا جانے کیا آفت آئی کہ ایسی زور سے کھانسی آنا شروع ہوئی کہ ہم سخت بے چین ہو گئے ایک تو کھانسی دوسرے یہ خیال کہ گھر بھر اُٹھ بیٹھے گا۔ دل چاہتا تھا کہ گردن کاٹ ڈالیں مگر کھانسی تھی کہ گویا قسم کھا چکی تھی کہ آج آکر پھر نہ آئے گی مسلسل اور متواتر "کھوں، کھوں، کھوں"۔ نتیجہ اس کا ظاہر ہے کہ گھر میں کوئی جاگا اور دبے پاؤں کمرے میں چلنے کی آواز بھی آئی پاندان کھلا اور تھوڑی ہی دیر میں ہمارے سرہانے والی میز پر پانوں کی تھالی رکھنے کی آواز آئی مگر ہم نے جو گردن اٹھا کر دیکھا تو پان موجود مگر پان رکھنے والی غائب اور پھر صبح تک ہم نے انتظار کیا مگر سب بیکار مختصر یہ کہ صبح ہم یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی
ہاں مگر چین سے بسر نہ ہوئی

تیرھواں باب

ہم نے لاکھ لاکھ کوشش کی مگر کسی طرح شیخ صاحب کے یہاں سے جانے کی اجازت نہ ملی صرف یہی ایک صورت تھی کہ ہم شیخ صاحب کو اور اُن سے زیادہ محترمہ شیخانی صاحبہ کو رنجیدہ کرتے اور چلے جاتے مگر چونکہ یہ خود ہم نے گوارا نہ کیا لہٰذا ہم کو رہنا پڑا شیخ صاحب کے یہاں اور اس وقت بھی جبکہ دفتر کی رخصت ختم ہوگئی ہم کو اسی قدر اجازت مل سکی کہ ہم شیخ صاحب کے یہاں سے دفتر جایا کریں اور دفتر سے انھیں کے یہاں واپس آیا کریں بہر حال اس صورت میں ایک فائدہ یہ تو ضرور ہوگیا کہ ہم دفتر سے واپسی میں میر صاحب سے اور وکیل صاحب سے آسانی کے ساتھ مل سکتے تھے چنانچہ اب ہمارا پروگرام یہی ہوگیا کہ صبح تو سیدھے شیخ صاحب کے یہاں سے دفتر چلے جاتے تھے۔ مگر شام کو دفتر سے واپسی پر پہلے میر صاحب کے یہاں جاتے تھے اور اس کے بعد شیخ صاحب کے یہاں آتے تھے حالانکہ شیخانی صاحبہ کو یہ بھی ناگوار تھا کہ ہم میر صاحب کے یہاں کیوں جاتے ہیں مگر اب ہم نے شیخانی صاحبہ کو اس حد تک اپنا ناز بردار بنا دیا تھا کہ ان کو یہ ناگواری تلخی کی حد تک نہ ہوتی تھی ورنہ یہی وہ شیخانی صاحبہ تھیں کہ میر صاحب کا نام آیا اور انھوں نے ایک سانس میں ہزاروں موئے اور مونڈی کاٹے قسم کی گالیاں دینا شروع کیں۔ ادھر میر صاحب کا یہ حال کہ وہ شیخ صاحب کے یہاں ہمارے اس اثر اور رسوخ سے بدگمان تو نہیں تھے مگر زیادہ خوش بھی نہ تھے۔

بہر حال ان کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ شیخ صاحب کے یہاں اگر کامیاب ہو سکتے ہیں تو محض ہماری وجہ سے لہٰذا وہ ہمارے اس رسوخ سے اپنی ناگواری کا اظہار نہ کرتے تھے بلکہ اس کو ایک حد تک اپنی کامیابی سمجھتے تھے چنانچہ ایک روز جبکہ ہم دفتر سے واپسی پر ان سے ملنے گئے تو انھوں نے خود ہی اس سلسلہ کو چھیڑا اس لئے کہ اتفاق سے آج ان کے صاحبزادے موجود نہ تھے بلکہ کسی مقدمہ کے سلسلہ میں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے اس موقعہ کو غنیمت جان کر میر صاحب نے فرمایا:۔

"یہ تو فرمائیے کہ اب تو آپ کے ہاں سے اتنے گہرے تعلقات ہو گئے ہیں۔ اب ہم غریبوں کا بھی کچھ کام بنے گا۔"

ہم نے کہا۔ "حضور والا یہ تعلقات آپ ہی کی جوتیوں کے طفیل ہوئے ہیں اور اگر آپ کا کام نہ بننے والا ہوتا تو مجھ سے گہرے تعلقات ہی کیوں ہوتے اس کے معنی تو یہ ہیں کہ سب خاطریں آپ کی ہو رہی ہیں۔"

میر صاحب نے خوشی کے مارے اپنے رعشہ دار ہاتھ سے خاصدان بڑھاتے ہوئے کہا۔ "وہاں کا رنگ کیا ہے کچھ قصہ تو سناؤ۔"

ہم نے پیٹ بھر کر جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ "ایک دن بڑا لطف آیا آپ کا کچھ تذکرہ ہو رہا تھا کہ شیخ صاحب کی بیوی نے آپ کو چچا میاں کہدیا میں نے ان کو فوراً ٹوکا کہ اب تو آپ ان کو اپنا بزرگ نہ بنائیں وہ آپ کے چھوٹے ہیں اور ایسے چھوٹے کہ اولاد کے برابر۔"

میر صاحب نے بات کاٹ کر کہا۔ "ہاں تو پھر کیا بولیں وہ۔"

ہم نے کہا۔ "ہنس کر ارے توبہ کہتے ہوئے خاموش ہو گئیں۔"

میر صاحب نے خوشی کے مارے اپنے تمام جسم میں رعشہ پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ انھوں نے اپنی غلطی یعنی یہ کہ تسلیم کر لی اور وہ واقعی مجھ کو اپنا چھوٹا سمجھتی ہیں۔"

ہم نے آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "یعنی اب بھی چھوٹا نہ سمجھیں گی جبکہ یہ گویا وہ اپنی جگہ بھی طے کر چکی ہیں کہ آپ ان کے داماد ہوں گے۔"

میر صاحب نے ہماری طرف کھسکتے ہوئے بدحواس ہو کر کہا۔ "کیا فرمایا آپ نے ذرا سنا نہیں کیا وہ طے کر چکی ہیں کہ میں ان کا داماد ہوں گا۔"

ہم نے کہا۔ "اور نہیں تو کیا۔"

میر صاحب نے خوشی کے مارے اپنا بھاڑ ایسا منھ کھول کر کہا۔ "وہ کیسے؟"

ہم نے کہا۔ "آپ تو واللہ بچوں کی ایسی باتیں کرتے ہیں ارے صاحب اگر یہ طے نہ ہوتا تو مجھ غیر شخص کی اتنی مدارات کے کیا معنی تھے میں کون ان کا سگا ہوں۔"

میر صاحب نے قائل ہوتے ہوئے کہا۔ "بیشک، بیشک۔ مگر یار ہم تو تم کو جب جانیں کہ بس نکاح تو کرا ہی دو۔"

ہم نے کہا۔ "آپ کے بغیر کہے ہوئے آج میں اس بات کا تذکرہ کرنے ہی والا تھا اور انشاء اللہ آج اس کے متعلق اس وقت گفتگو ہو گی۔"

میر صاحب نے بے تکلفی کے ساتھ ہمارے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "تمھیں واللہ یعنی تم واقعی اس کا تذکرہ کرنے والے تھے اچھا تو کل دیکھیں کیا خبر لاتے ہو مگر سنو کل ایک کام کرنا دفتر سے سیدھے میرے ہی پاس آنا اور اگر وہ حضرت یعنی ہمارے بلند اقبال موجود ہوں تو تم مجھ سے صاف کہہ دینا کہ کچھ باتیں تنہائی میں کہنا ہیں

تو کل سہ پہر کو تم ناشتہ یہیں کرو گے نا؟ یا صبح دفتر جاتے ہوئے کیوں نہ ملو"

ہم نے کہا۔" نہیں صبح نہیں میں دفتر سے واپسی ہی میں آؤں گا اچھا اب اجازت دیجئے"۔

میر صاحب سے اجازت حاصل کر کے ہم یوں ہی کھڑے کھڑے اپنے گھر ہوتے ہوئے شیخ صاحب کے یہاں آگئے مگر جیسے ہی ہم اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے ہم نے دیکھا کہ ثریا اس کمرہ کی تمام چیزیں بقہ سے رکھنے میں مصروف ہیں لہٰذا ہم فوراً ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے اور دروازہ کی آڑ لے لی سامنے کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا جس سے گھر کے اندرونی حصہ کا بھی بالکل سامنا تھا ہم نے دیکھا کہ ثریا نے میز کی ایک ایک چیز قرینے سے رکھنے کے بعد ہمارے لبستر کی چادر بدلی اور تکیوں کے غلاف بدل رہی تھیں کہ شیخانی صاحبہ نے سامنے آکر کہا۔

" دیکھو جلدی جلدی غلاف چڑھا دو ان کے آنے کا وقت ہو گیا ہے اور ذرا ادھر خیال رکھنا بلی دودھ کا برتن نہ کھولے میں ذرا چوکی پر جا رہی ہوں"۔

شیخانی صاحبہ تو یہ کہہ کر ادھر گئیں اور ادھر ہم نے دبے پاؤں کمرہ میں جا کر پیچھے سے ثریا کا دوپٹہ پکڑ کر کہا۔" تسلیم" ثریا نے ایک دم سے چونک کر پیچھے مڑ کر دیکھا اور یکایک بھاگنے کی کوشش کی تو ہم نے کہا۔ اس دن کے بعد سے ملاقات ہی نہیں ہوئی اب میں جانے نہ دوں گا ورنہ وعدہ کرو کہ آج ایک بہت ضروری بات سننے کے لئے آؤ گی"۔

ثریا نے گھبرا کر اندر کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے دوپٹہ کو جھٹکا دیا مگر چونکہ ہم اس خطرہ سے پہلے ہی واقف تھے۔ ہم نے کہا۔

"اب آپ چھوٹ نہیں سکتیں ہیں جبتک وعدہ نہ کرلیں۔"

جواب میں نہایت مضطربانہ طور پر دوپٹہ کھینچتے ہوئے ارشاد ہوا۔ "خدا کے لئے چھوڑیئے جلد چھوڑیئے۔"

ہم نے دوپٹہ چھوڑتے ہوئے کہا۔ "اچھا اگر آج آپ نے ایک ضروری بات نہ سنی تو بندہ کل ہی یہاں سے غائب ہوجائے گا۔"

ہمارا جملہ خدا جانے پورا سنا بھی یا نہیں اور وہ ایک چھلانگ مار کر وحشی ہرنی کی طرح گھر کے اندر گھس گئیں اور خدا جانے کس چیز سے ٹکرا کر کس چیز پر گریں کہ ایک زبردست چھپناکا ہم نے بھی سنا اور اس آواز کے ساتھ ہی شیخانی صاحبہ کی آواز سنائی دی۔ "ارے کیا ہوا۔ یہ کیا آفت آئی ——— " اس کے بعد ہی شیخانی صاحبہ کی آواز کے ساتھ ہی یہ معلوم ہوگیا کہ بحمد اللہ سب خیریت ہے اس لئے کہ وہ ہنس ہنس کر کہہ رہی تھیں کہ "توبہ ہے بچی میں تو سمجھی کہ شاید بندر کودا ہے اور اس کو دیکھ کر تم بھاگی ہو یہ کیا معلوم تھا کہ بندر سے زیادہ انسان کو دیکھ کر تمھیں وحشت ہوئی ہے کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔"

جواب خدا جانے کیا ملا بہر حال شیخانی صاحبہ ہنستی ہوئی ہمارے کمرے میں آگئیں ان کو دیکھتے ہی ہم نے پوچھا۔

"کیا ہوا کیا؟"

ہنس کر بولیں: "کچھ بھی نہیں وہی ہے پگلی تمھارا کمرہ صاف کرنے آئی تھی کہ تم آگئے اور تم کو دیکھ کر جو وہ بھاگی تو گڑبڑا کر آٹے کی لگن میں پیر پڑ گیا اور آپ گریں بالٹی کے اوپر۔"

ہم نے کہا۔" کہیں چوٹ ووٹ تو خدانخواستہ نہیں آئی

شیخانی صاحبہ نے کہا۔" وہی تو میں پوچھ رہی تھی کچھ بتاتی ہی نہیں"۔

ہم نے کہا۔" نہیں آپ پوچھ لیجئے ممکن ہے کہیں چوٹ آگئی ہو تو ٹنکچر لگا دیا جائے۔"

شیخانی صاحبہ نے پھر جاکر پوچھا اور ہم کو آکر جواب دیا کہ۔" ہاں ذرا کہنی چھل گئی ہے۔"

ہم نے کہا۔" تو اس میں ٹنکچر لگا دیجئے۔"

شیخانی صاحبہ نے منہ بناتے ہوئے کہا:" مجھ سے نہیں لگتا ٹنکچر میں اس کا ہاتھ نکلوائے دیتی ہوں تم خود لگا دو۔"

ہم کو آمادہ ہونے میں کتنی دیر لگتی تھی ٹنکچر کی شیشی لے کر تیار ہو گئے اور شیخانی صاحبہ نے دروازہ کے ادھر اپنی صاحبزادی سے زبردستی شروع کر دی کہ وہ اپنا ہاتھ ہمارے سامنے پیش کریں اور آخر ان کا ہاتھ شیخانی صاحبہ کے ہاتھ کی گرفت میں ہمارے سامنے آگیا۔ ہم نے ثریا کا ہاتھ پکڑ کر چھلی ہوئی کہنی کو دیکھتے ہوئے کہا۔" روئی اور ایک جھاڑو کی سینک لائیے۔ شیخانی صاحبہ تو گئیں ادھر روئی اور جھاڑو کی سینک لینے اور ادھر ہم نے ثریا کے ہاتھ کو خفیف سا جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔" ہم سے بھاگنے والوں کو قدرت فوراً سزا دیتی ہے اتنا ٹنکچر تھوپا ہو کہ یاد کرنے لگیں آپ بھی بچے اور منی"۔

ثریا نے معلوم نہیں ڈر کر یا شرما کر ہاتھ گھسیٹنے کی کوشش کی مگر ہماری گرفت کافی مضبوط تھی لہذا وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ دوسرے اتنی ہی دیر میں شیخانی صاحبہ روئی اور تنکا لے کر آگئیں چنانچہ ہم نے فوراً ایک موٹی سی سینک بنا کر خوب اچھی طرح

ٹکو لیپ دیا۔ ہماری گرفت سے معلوم ہو رہا تھا کہ ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی جا رہی ہے اس لئے کہ یقیناً بڑی چٹپٹی مرچیں لگ رہی ہوں گی آخر شیخانی صاحبہ نے بھی کہا: "کیا یہ لگتا بہت ہے اس کے تو آنسو نکل آئے۔"

ہم نے ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔" ہاں لگتا تو ہے مگر اب بچے گا نہیں۔"

اس کے بعد ہم نے شیخ صاحب کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آج وہ شہر کے باہر ہیں کل آئیں گے لہذا رات تک شیخانی صاحبہ ہم سے اِدھر اُدھر کی اور خاص طور پر میر صاحب کے یہاں کی باتیں کرتے رہے اور میر صاحب کی شان میں شیخانی صاحبہ کا نوتصنیف قصیدہ سنتے رہے۔

چودھواں باب

ہم کو اس کا اعتراف ہے کہ ہماری یہ حرکت قطعی غیر شریفانہ تھی کہ ہم شیخ صاحب اور شیخانی صاحبہ کے علاوہ ایک بے زبان معصوم دوشیزہ کو اپنے متعلق فریب میں مبتلا کئے ہوئے تھے اور یہ سب لوگ ہمارے لئے خدا جانے کیا کیا توقعات قائم کئے ہوئے تھے حالانکہ ہم کو معلوم تھا کہ ہم اس گھر کے داماد نہیں ہوسکتے مگر۔ ع

گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

کے مصداق مجرمانہ طور پر وہی خاطریں کر وا رہے تھے جو دامادوں کی ہوا کرتی ہیں خیران خاطروں کو اور اس دامادی کے قصہ کو تو ڈالئے ہم ہیں مگر ہمارا یہ جرم تو یقیناً ناقابل عفو تھا کہ ایک معصوم لڑکی اپنی زندگی اور اپنی امیدوں کا مرکز ہم کو سمجھ رہی تھی اور ہماری روشنی میں اپنے مستقبل کو دیکھ رہی تھی۔ ہم کو اپنے اس جرم کا احساس تھا اور ہم چاہتے تھے کہ کسی طرح ثریا کی اس غلط فہمی کو دور کیا جائے مگر اب تو سوال یہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر ہم ثریا کو اصل واقعہ اور اپنی پوری اسکیم سے آگاہ کئے دیتے ہیں تو اس غریب کا کیا حال ہوگا وہ تو ہمارے ہی متعلق یہ طے کئے ہوئے تھی کہ اس کی زندگی کے رفیق ہم ہی ہوں گے اور یہ سمجھنے کے بعد اس نے اپنے دل و دماغ پر بلکہ اپنی روح پر ہمارے خیال اور ہمارے تصور کو طاری کر لیا تھا اب جو یکایک اس کو اصل واقعہ کا علم ہوگا تو وہ اپنے خیالات کے اس انقلاب عظیم کی کیونکر متحمل

ہو سکے گی۔ ایک طرف تو یہ تکلیف دہ خیال ایسا تھا کہ ہم اپنے اوپر برابر ملامت کر رہے تھے اور اپنی شان میں روز ایک نو تصنیف ہجو کہا کرتے تھے۔ دوسری طرف یہ خیال تھا کہ اگر ہم نے اس راز کو راز رکھا تو ثریا کے دل و دماغ میں ہمارے متعلق جو غلط فہمیاں ہیں وہ روز بروز مستحکم ہوتی جائیں گی اور اگر کچھ دنوں کے بعد اس راز کا انکشاف ہوا تو وہ صورت موجودہ صورت سے بھی زیادہ افسوسناک ہوگی مختصر یہ کہ ان ہی تمام خیالات نے ہم کو مجبور کر دیا تھا کہ ہم جلد سے جلد جس طرح بھی ممکن ہو ثریا کو اصل واقعہ سے مطلع کر دیں اور جس جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں اس کو ہلکا کریں۔

جس قدر جرم کرنا بظاہر آسان ہے اسی قدر اقبال جرم مشکل کام ہے ہم آپ سے سچ کہتے ہیں کہ ہم نے بارہا اس کا ارادہ کیا کہ ثریا کو کسی طرح اس راز سے آگاہ کر دیں مگر ہر مرتبہ جھجک کر رہ گئے اور اسی طرح وقت گزرتا رہا یعنی ہم ثریا کے دل و دماغ میں اس کے ہونے والے شوہر کی حیثیت سے بسے رہے بظاہر تو یہ کس قدر لطیف بات ہے کہ ہم کو ایک غیر لڑکی اپنا ہونے والا شوہر سمجھ کر ان ہی نظروں سے دیکھے جو صرف ہونے والے شوہر کے لئے مخصوص ہوتی ہیں مگر غور تو کیجئے انسانیت، شرافت اور اخلاق بھی کوئی چیز ہے آخر ہم کو اس کا کیا حق تھا کہ ہم بلا وجہ ایک معصوم دوشیزہ کو غلط فہمی میں مبتلا رکھیں۔ یہ صحیح ہے کہ اس غلط فہمی پھیلانے کی ذمہ داری ہم سے زیادہ خود شیخ صاحب اور شیخانی صاحبہ مدظلہا پر عائد ہوتی ہے مگر اس غلط فہمی کی تردید نہ کرنا خود ایک مستقل جرم تھا جس سے ہم بہر حال بری نہیں ہو سکتے تھے۔

جہاں تک شیخ صاحب کا اور شیخانی صاحبہ کا تعلق تھا ان کی غلط فہمیوں تک تو کوئی مضائقہ نہ تھا اس لئے کہ وہ خود بھی اس غلط فہمی میں برابر کے حصہ دار تھے مگر بیچاری

ثریا نے کیا گناہ کیا تھا، ان ہی تمام باتوں کو سوچ کر ایک دن ہم نے اپنا دل مضبوط کر ہی لیا کہ آج جس طرح بھی ہو ثریا کی اس غلط فہمی کو دور کیا جائے گا چنانچہ اسکی بہترین ترکیب ذہن میں آئی کہ ایک پرچہ لکھ کر رکھے رہیں اور موقع دیکھ کر اس کو ثریا تک پہونچا دیں پھر دیکھا جائے گا جو کچھ ہوگا۔ چنانچہ ہم نے قلمدان اٹھا کر پرچہ لکھ ہی دیا:۔

عزیزہ ثریا سلمہا۔ دعا۔ تم یہ تخاطب دیکھ کر یقیناً حیران ہو گی کہ میں اور تم کو عزیزہ اور سلمہا لکھوں۔ مگر اس سے بھی زیادہ حیرت تم کو اس بات سے ہو گی کہ میں واقعی تم کو اپنی بہن سمجھتا ہوں اور میری دعا ہے کہ تم بھی مجھ کو اپنا بھائی سمجھو اور ہمیشہ سمجھتی رہو۔ میں عرصہ سے ارادہ کر رہا ہوں کہ تم کو یہی خط لکھوں جو آج لکھ رہا ہوں مگر آج وہ جرارت پیدا کر سکا ہوں جس کی عرصہ سے کوشش کر رہا تھا میں دراصل تمھارے والدین کو تو نہیں لیکن تم کو یقیناً عرصہ تک غلط فہمی میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا اور مجھ کو یہ اعتراف کرنے میں قطعاً کوئی پس و پیش نہ ہونا چاہئے کہ میں سوائے ایک عزیز بہن کے تم سے کوئی رشتہ قائم ہی نہیں کر سکتا میں دوسرے کے ہاتھ بکا ہوا ہوں لیکن میری تمام تر جدو جہد صرف یہ ہے کہ تمھارے لئے اپنے سے بہتر شوہر کی جستجو کروں۔ ثریا تم مجھ کو میری حقیقی بہن سے بھی زیادہ عزیز ہو اور مجھ کو امید ہے کہ تم مجھ کو اپنا بھائی سمجھ

کر مجھ پر اعتماد کرو گی کہ میں تمہارے شوہر کے انتخاب میں
تمہارا دشمن نہیں بلکہ تمہارا چاہنے والا بھائی ثابت
ہوں گا البتہ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے متعلق کسی غلط فہمی
میں مبتلا نہ رہو۔ کیا تم اپنے بھائی کو جواب دو گی؟۔
میں ہوں تمہارا بھائی۔

یہ پرچہ لکھ کر ہم نے اس کو احتیاط کے ساتھ قمیص کی جیب میں رکھ لیا تاکہ ہر وقت ساتھ رہے اور جس وقت بھی موقعہ مل جائے ہم اس کو ثریا تک پہونچا دیں۔ ہم موقعہ کے منتظر ہی تھے کہ دوپہر کے وقت جبکہ ہم کمرہ میں تنہا اتوار منا رہے تھے یعنی سونے کو لیٹے تھے اور شیخ صاحب کہیں تشریف لے جا چکے تھے۔ شیخانی صاحبہ گھر میں تھیں ہم نے لیٹے ہی لیٹے دیکھا کہ ہوا کے زور سے دروازہ کا پردہ اُڑا اور دروازہ کے سامنے ہی چارپائی پر سے کسی کا دوپٹہ لٹکا ہوا نظر آیا۔ ہم نے اس منظر کے ساتھ ہی یکایک یہ سوچا کہ اگر اسی وقت ہم اپنا پرچہ ثریا کو دے دیں تو کیسی رہے۔ دل نے کہا کہ ہاں کیا مضائقہ ہے ذہن نے چٹھی رسانی کی ترکیبیں سوچنا شروع کیں اور آخر ہم نے یہ ترکیب نکالی کہ چپکے سے پردہ کے پاس جا کر اپنی چھڑی سے دوپٹہ ادھر کھسکا لیں اور اس کے آنچل میں یہ پرچہ باندھ کر دوپٹہ کو ذرا سا جھٹکا بھی دے دیں تاکہ ثریا کو بھی خبر ہو جائے مگر اب سوال یہ تھا کہ ہم نے صرف دوپٹہ دیکھا تھا اگر کہیں یہ دوپٹہ خدانخواستہ بجائے ثریا کے شیخانی صاحبہ کا ہوا اور ہم نے اسی میں پرچہ باندھ کر گھسیٹ لیا تو غضب ہی ہو جائے گا مگر خدا کا شکر ہے کہ جس وقت ہم یہ سوچ رہے تھے عین اسی وقت شیخانی صاحبہ پردہ اٹھا کر

تشریف لائیں اور ہم نے پھر دیکھا کہ وہ ڈوپٹہ جو ہم نے دیکھا تھا بدستور لٹک رہا ہے۔
لہٰذا یہ طے تھا کہ وہ ثریا کا دوپٹہ ہے شیخانی صاحبہ نے آتے ہی کہا۔

"کیا سوئے نہیں؟"

ہم نے ایک اطمینان انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔"جی ہاں بس سونے ہی والا ہوں نیند آگئی ہے۔"

شیخانی صاحبہ نے کہا:"اچھا تو سو جاؤ میں بھی ذرا پڑوس میں جا رہی ہوں مگر اس وقت کون جائے میں بھی ذرا دیر لیٹ رہوں رات کو نیند اچھی طرح نہیں آئی"۔

ہم نے کچھ ہوں ہاں میں اُن کو ٹالنے کے لئے جواب دے دیا اور وہ الٹے پیروں واپس ہوگئیں ان کے جانے کے بعد دو چار منٹ تو ہم چپکے پڑے رہے اس کے بعد دبے پاؤں اٹھے اور پردہ کے پاس جا کر چپکے سے اپنی چھڑی سے دوپٹہ اِدھر کھسکا لیا۔ دوپٹہ نہایت آسانی کے ساتھ اِدھر آگیا لہٰذا ہم نے جیب میں سے پرچہ نکال کر اس کے آنچل میں باندھ دیا اور باندھنے کے بعد اب جو پتنگ کی طرح ایک ٹھمکی دیتے ہیں تو چارپائی بولی "چرر، چر" اور ساتھ ہی ساتھ اس پھرتی سے دوپٹہ کھینچا گیا کہ اس کی آنچل والی گرہ لنگڑ کی طرح اچھل کر کوئی تعجب نہیں کہ منھ ہی پر لگی ہو۔ اور ادھر ہم بجنسہ اپنی چارپائی پر اور وہ بھی اس طرح کہ گویا کم سے کم آدھ گھنٹہ سے سو رہے ہیں۔

یہ تو طے تھا کہ پرچہ ثریا کو مل گیا ہوگا مگر اس کے بعد ہمارے دل کی حالت دیکھیے معلوم ہوتا تھا کہ سول سروس کپ کی ریس میں دِن جا رہا ہے۔ حالانکہ ہم نے اس پرچہ میں کوئی مجرمانہ بات نہیں لکھی تھی اگر ایک شریف دوشیزہ ایک پردہ دار مشرقی کنواری

اور ایک مسلمان ناکتخدا لڑکی کو خط لکھا بھی تھا تو اس کو بہن بنا کر اور خود بھائی بن کر نمائشی اور مصنوعی طور پر نہیں بلکہ سچ مچ مگر باوجود اس کے معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہم نے کوئی عشقیہ خط لکھا ہے اور وہ خط اگر پکڑ اگیا تو بس ہم کو پھانسی کا حکم ہو جائے گا کچھ نہ پوچھئے کہ ہم نے کیونکر وہ دن گذارا ہے کیا کوئی قتل کا مجرم اس طرح اپنا خون خشک کرتا ہو گا جس طرح ہم اپنا خون خشک کر رہے تھے خدا خدا کر کے شام کے وقت جبکہ ہمارے کمرے میں اتفاقیہ تنہائی ہو گئی تھی یکایک پردہ کو ایک جنبش ہوئی دروازہ پر ایک آہستہ سے تھپکی دی گئی اور کاغذ کی ایک گولی پردہ کے پیچھے سے اڑ کر ہماری گود میں آ گری۔ ہم نے اس گولی کو نہایت احتیاط کے ساتھ اپنے کانپنے والے ہاتھوں سے کھولا تو اس میں نہایت خوشخطی کے ساتھ صرف ایک مصرعہ لکھا ہوا تھا۔ ع

"فریب خوردۂ رنگینیٔ بہار ہوں میں"

ہم نے اس پرچہ کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا مگر اس ایک مصرعہ کے علاوہ اس پر کچھ اور لکھا ہوا نہ تھا ہم نے اس مصرعہ کو بار بار پڑھا اور سچ تو یہ ہے کہ ثریا کی اس خوش مذاقی اور اس استعداد پر ہم پھڑک اٹھے ذرا غور تو کیجئے کہ ہمارے اس مفصل رقعہ کا کس قدر جامع اور کس قدر خوبصورت اور کس قدر ذہین جواب تھا جو اس ایک مصرعہ سے دیا گیا اس مصرعہ کی معنویت دیکھئے اور صورت حال کے مطابق اس مصرعہ کی موزونیت ملاحظہ فرمائیے واللہ اگر ثریا مفصل سے مفصل جواب دیتی تو بھی وہ اپنا مفہوم اس عمدگی سے ادا نہیں کر سکتی جس عمدگی سے اس مصرعہ میں ادا کیا تھا۔ واقعی ثریا ایک گہر آبدار تھی ایک دولت تھی اور ایک خزانہ تھی۔

اس جواب کے بعد ہم حیران تھے کہ اب کیا جواب دیں اس لئے یہ واقعہ تھا کہ اس حسین

جواب کا جواب ہم سے ممکن ہی نہ تھا۔ آخر بہت کچھ غور کرنے کے بعد ہم نے بھی سوچا لاؤ ذرا شاعری کریں چنانچہ لگے گنگنانے اور تھوڑی ہی دیر میں یہ تین شعر کہہ کر جیب میں رکھ لئے ؎

کسے خبر ہے کہ کس درجہ بیقرار ہوں میں
رہین کشمکش جبر و اختیار ہوں میں

فریب دیجئے بھی میں مجرم فریب نہیں
تری نگاہ سے گر کر بھی اعتبار ہوں میں

مگر گناہوں کا پھر بھی ہے اعتراف مجھے
گناہگار ہوں بیشک گناہگار ہوں میں

شعر کہنے کو تو کہہ لئے مگر یہ واقعہ ہے انکساری اور کسر نفسی نہیں کہ ثریا کا ایک مصرعہ جو یقیناً خود اس کا نتیجہ فکر بھی نہ تھا ہمارے ان تینوں شعروں پر بھاری تھا مگر ہم نے بھی غریبا مئو یہ تینوں شعر کہہ کر رکھ لئے تھے کہ یہی ثریا کو دیدیں گے چنانچہ رات کو ہم نے پانوں کی تھالی میں وہی پرچہ رکھ کر اندر بھیجدیا اس لئے کہ پانوں کی تھالی ثریا ہی کے پاس جاتی تھی۔

پندرھواں باب

ثریا کو اس راز سے آگاہ کر دینے کے بعد اب شیخ صاحب کا دولت خانہ ہمارے لئے سخت تکلیف دہ ثابت ہو رہا تھا اس لئے نہیں کہ ثریا یا اس کے والدین کی طرف سے ہماری مدارات میں کوئی کوتاہی ہو رہی تھی بلکہ خود ہمارے احساس پر یہاں کا قیام ایک بار تھا چنانچہ ہم نے بقول شیخانی صاحبہ کے واقعی رسّیاں تُڑانا شروع کر دیں اور تین دن کی مسلسل کوشش کے بعد ہم شیخانی صاحبہ کو یہ بات باور کرا سکے کہ ہمارا یہاں کا قیام ان کے علاوہ خود ہمارے لئے بھی حد درجہ بدنامی کا باعث ہے اس کے علاوہ ہم نے شیخانی صاحبہ کی اس خفیف سی ناگواری کی پروا بھی نہیں کی جو ان کے حد سے بڑھے ہوئے اخلاق کا نتیجہ تھی قصہ مختصر یہ کہ ہم کو تیسرے روز بمشکل تمام اپنے گھر جانے میں کامیابی ہو گئی اب گھر پر آ کر ہم کو سب سے پہلے اس کی فکر ہوئی کہ کسی طرح جلد سے جلد اس مذاق کو ختم کیا جائے اور ثریا کی شادی کر دی جائے مگر اب سب سے بڑا سوال تھا وکیل صاحب یعنی میر صاحب قبلہ کے صاحبزادہ کو اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ اپنے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے ان سے باپ کے علاوہ رقیب کا نیا رشتہ قائم کریں کہ دنیا دیکھتی ہی رہ جائے۔ دراصل یہ کام جس قدر مشکل تھا اس کا اندازہ آپ محض ان الفاظ کو پڑھ کر ہی نہیں سکتے بھلا غور تو کیجئے بیٹے کو باپ کا رقیب بنانا بالکل نہیں تو تقریباً ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص

اس بات کا دعویٰ کرے کہ وہ آپ کے کھل میں سے خربوزہ کے بیج نکال دے گا یا گدھے کے پیٹ سے انسان کا بچہ پیدا کرا دے گا۔ بہرحال ہم نے اس کو کہنی کا بیڑا اٹھایا تھا تو اب ناکامی کیسی اگر نپولین لغات سے لفظ "ناممکن" نکلوانے میں مصر تھا تو ہم بھی اسی طرح ایک انسان تھے اور کوئی وجہ نہ تھی کہ ہمارا عزم مصمم ہم کو بھی ایسا ہی بات کا دھنی نہ بنا دیتا۔ چنانچہ ہم نے گھر آکر سب سے پہلے وکیل صاحب سے ملنے کی کوشش کی خود وکیل صاحب کے پاس جانا نہیں چاہتے تھے اس لئے کہ اوّل تو اس کا اندیشہ تھا کہ وہاں میر صاحب کو پکڑ لیں گے دوسرے اس روز میر صاحب سے ہم نے اس کا وعدہ کیا تھا کہ کل آئیں گے مگر نہیں گئے اس کی شرمندگی تھی لہٰذا ہم نے نوکر کے ہاتھ پرچہ بھیج کر خود وکیل صاحب کو بلوا لیا جو بیچارے پرچہ دیکھتے ہی چلے آئے۔ اور ہم کو ان سے سکون و اطمینان کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقعہ مل گیا۔ وکیل صاحب پہلے تو ہماری صحت کے متعلق گفتگو کرتے رہے اس کے بعد جو مشکل تمام گفتگو کا رخ پلٹا تو اپنی وکالت کی داستان لے کر بیٹھ گئے آخر ہم نے خود ان کا قطع کلام کر کے کہا:۔

"معاف کیجئے گا میں نے آپ کو اپنی صحت کے متعلق گفتگو کرنے کو بلایا ہے اور نہ میں آپ کی وکالت کے متعلق کچھ سننا چاہتا ہوں میں نے تو آپ کو محض اس لئے بلایا ہے کہ آپ نے غور و فکر کے واسطے جو وقت مانگا تھا وہ ختم ہو گیا اب بتائیے کہ میں آپ کی نسبت دے سکتا ہوں۔"

وکیل صاحب نے بغیر کسی پس و پیش کے کہا "حضور والا آپ نے غور کرنے کا موقعہ ہی کب دیا خود تو آپ بیمار پڑ گئے۔ ایسی صورت میں مجھ کو آپ کی علالت کی فکر تھی یا غور

کرنے کی مہلت۔"

ہم نے کہا۔" خیر یہ وکیلوں والا قانونی تھا نسہ تو دیجئے گا کسی موکل کو یا اس کے فریق مخالف کو یا عدالت کو مجھ کو تو آپ صرف دو لفظوں میں بتا دیجئے اس لئے کہ اب اس قصہ کو طے کرنے کی جلدی ہے اور میں خود چاہتا ہوں کہ آپ کی طرف سے کوئی دیر نہ ہو۔"

وکیل صاحب نے اپنے متین اور خوبصورت چہرہ پر تبسم پیدا کرتے ہوئے کہا:" مولانا میں آخر کیا جواب دوں آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ ایک بیٹا اپنے باپ کے مقابلہ میں کیونکر آسکتا ہے باپ کیسا ہی کیوں نہ ہو مگر پھر بھی باپ ہے اور آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں باپ سے نہ صرف بغاوت کروں بلکہ نعوذ باللہ رقابت بھی پیدا کروں۔"

ہم نے وکیل صاحب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ماشاء اللہ کیا خوب غور فرمایا ہے جناب نے یعنی ہنوز روز اول والا قصہ ہے۔ شاید آپ بھول گئے کہ میں نے آپ سے یہ عرض کیا تھا کہ ایسی بیوی آپ کو زندگی بھر جستجو میں صرف کرنے کے بعد بھی نہیں ملے گی۔ رہ گئی باپ بیٹے کی مخالفت وہ اگر ہو گی بھی تو چند روزہ اس کے بعد سب بھول بھی جائیں گے اور یہ زندگی بھر کی راحت آپ کو حاصل ہو گی میں آپ کا دوست ہوں دشمن نہیں۔ میں آپ کا گھر جنت بنانا چاہتا ہوں۔"

وکیل صاحب نے کچھ رکتے ہوئے اور کچھ گھبراہٹ میں ہکلاتے ہوئے کہا:" معاف کیجئے گا میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ آپ اس کا وعدہ کریں کہ اس سوال پر قطعاً بُرا نہ مانیں گے۔"

ہم نے کہا۔" نہایت شوق سے آپ سوال کیجئے اور یقین جانئے کہ میں آپ کی

کسی بات پر بُرا نہیں مان سکتا۔"

وکیل صاحب نے کہا۔" میں نے اس بات پر پہلے بھی غور کیا تھا اور اس وقت بھی میرے ذہن سے آخر میری زبان پر آگئی ہے کہ اگر وہ ایسی ہی اچھی ایسی ہی غیر معمولی طور پر بہتر اور ایسی ہی یگانۂ روزگار لڑکی ہے تو خود آپ نے اپنے لئے اس کا انتخاب کیوں نہیں کیا۔ جبکہ آپ خود بھی میری طرح کنوارے ہیں۔"

ہم نے اس قانونی اعتراض کو سنا اور ہنس کر کہا۔" آپ سوال کر چکے اچھا اب جواب سنئے کہ میں کنوارا ضرور ہوں مگر آپ کی طرح کا کنوارا نہیں اور اگر میں آپ کی طرح کا آزاد کنوارا ہوتا تو واللہ اس لڑکی کے لئے خواہ آپ سے مجھ کو تلوار چلانا پڑتی مگر میں اس کو جس طرح بھی ہوتا حاصل کر لیتا لیکن افسوس تو یہ ہے کہ میں بکا ہوا ہوں اور میرے جملہ حقوق میری پیدائش کے ایک سال چند ماہ میری ایک عزیزہ کے نام محفوظ ہو چکے ہیں یعنی عورتوں کی اصطلاح میں وہ میری ٹھیکرے کی منگیتر ہے یہ چیز اتنے عرصہ تک پرورش پانے کے بعد اب محض رسمی ہی نہیں رہی ہے بلکہ جذباتی اور وجدانی بن گئی ہے یعنی میں اس لڑکی کو اپنا سمجھتا ہوں اور وہ روحانی طور پر اس بات کا یقین رکھتی ہے کہ میں اس کا اور صرف اس کا ہوں۔ میں اس کو ایک معصوم اور بے زبان دوشیزہ سمجھتا ہوں اور اس حیثیت سے دنیا کی منتخب کسی ملکۂ حسن کے لئے بھی میں اس کی معصوم اور مقدس توقعات کو مجروح کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا اس کے علاوہ مجھ کو اس اعتراف میں قطعاً شرم کی ضرورت نہیں کہ مجھ کو اپنی منگیتر سے ایک ایسا روحانی تعلق پیدا ہو گیا ہے جس کو اس نفس پرستی، بوالہوسی اور مادیات کے دور میں محبت کہتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں البتہ اتنا جانتا ہوں کہ وہ میری ہستی پر طاری ہے مجھ پر

چھائی ہوئی ہے اور مجھ میں کچھ اس طرح سمائی ہوئی ہے کہ میں اس کو اپنے سے جدا کرلے سے قاصر ہوں۔ ایسی حالت میں آپ خود بتائیے کہ میں کسی اور کی طرف کیونکر متوجہ ہو سکتا ہوں۔ لیکن آپ غالباً اپنا مرکز نظر کسی کو نہیں سمجھتے آپ میری طرح کسی کے ہاتھ بکے ہوئے نہیں ہیں یا صاف الفاظ میں مجھ کو کہنے دیجئے کہ آپ کسی سے محبت نہیں کرتے پھر آپ کے لئے تو کوئی اور مانع ہو ہی نہیں سکتا یا اگر اس حقیقت کو آپ نے اب تک پوشیدہ رکھا ہے اور آپ واقعی کسی سے زبانی یا روحانی طور پر پیمان وفا کر چکے ہیں تو بتا دیجئے۔ پھر میں آپ سے اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہ کہوں گا۔"

وکیل صاحب نے نہایت غور سے ہمارا جواب سن کر کہا۔" نہیں نہیں میں اب تک بفضلہ بالکل آزاد ہوں یعنی اپنی ذات کا مالک خود ہوں اور اگر میں آپ کی طرح کسی اور کا ہو چکا ہوتا تو نہایت صفائی سے اقرار کر لیتا۔"

ہم نے کہا۔" بس تو پھر اب آپ کو کیا عذر ہے۔"

وکیل صاحب نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔" صاحب قصہ دراصل یہ ہے کہ میں اپنی آزادی برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔"

ہم نے کہا۔" اچھا یہی سہی اسی کا آپ وعدہ کریں کہ آپ شادی کبھی نہ کریں گے اگر آپ اس قسم کا کوئی رجسٹرڈ اقرار نامہ لکھدیں تو بھی میں خاموش ہونے کو تیار ہوں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ شادی بھی کریں اور پھر ایسی لاجواب بیوی بھی نہ پائیں جیسی کہ میں آپ کے لئے تجویز کر رہا ہوں اگر آپ شادی کریں تو میں آپ سے سچ کہتا ہوں اسی لڑکی سے کریں یہ آپ کے لئے مقدر کی دیوی اور آپ کے گھر کی جنت

ثابت ہو گی ۔"

وکیل صاحب پھر ہنسے اور ہنسنے کے بعد پھر سنجیدہ ہو کر بولے ۔" میں آپ سے
سچ کہتا ہوں کہ مجھ کو نہ تو اس نسبت پر کوئی اعتراض ہے نہ میں کسی اور وجہ سے
اس قدر گریز کر رہا ہوں اور نہ مجھ کو آپ کی ہمدردی میں کوئی شک ہے البتہ والد صاحب
قبلہ کا قصّہ کچھ ایسا بیچ میں حائل ہے کہ میں عجیب کشمکش و پیچ میں پڑا ہوا ہوں ۔"
ہم نے وکیل صاحب کے قریب کھسک کر کہا ۔" اگر صرف یہی قصہ آپ کے پس وپیش کا
باعث ہے تو مجھ کو چند الفاظ کہنے کی اجازت دیجئے اس کے بعد آپ خود فیصلہ کر
سکیں گے کہ میں کس حد تک معقولیت پر ہوں یہ تو ظاہر ہی ہے کہ آپ اس لڑکی سے
اگر شادی نہ بھی کریں تو بھی میر صاحب کی شادی تو اس کے ساتھ قیامت کے ادھر ہو ہی
نہیں سکتی البتہ یہ ضرور ہو گا کہ ایسی قیمتی لڑکی ایسا گوہر آب دار خدا جانے کس قدر
ناشناس کے ہاتھ لگ جائے ۔ اور اگر آپ اس کے ساتھ شادی کر لیں گے تو
زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ میر صاحب آپ کی آزادی اور خود مختاری پر
الزام دے کر رہ جائیں گے لیکن براہ راست آپ پر یہ الزام نہ لگا سکیں گے
کہ آپ نے ان سے رقابت پیدا کی چند دن ان کی خفگی رہے گی اس کے بعد
خود راہ راست پر آجائیں گے لیکن اگر آپ نے شادی نہ کی تو یہ سمجھ لیجئے کہ میر صاحب
کی تمام پونجی اُن کی اُن زوجہ محترمہ کے ہاتھ لگے گی جو میر صاحب کے نکاح میں
آجائیں ورنہ یہ روپیہ طوائفوں اور اُن کے دلّالوں کے نذر ہو جائے گا ۔
لہٰذا آپ اپنے اوپر اور خود میر صاحب پر احسان کریں گے اگر شادی کر لیں اور
اس ڈوبتی ہوئی کشتی کو اُبھاریں ورنہ اس کشتی کا خدا ہی حافظ ہے جس کا ناخدا

خود طوفان ہو۔"

وکیل صاحب نے کچھ دیر تک گردن جھکا کر کچھ غور کیا اور اس کے بعد بولے "۔ یہ تو صحیح ہے مگر مجھ کو اب سنجیدگی سے غور کرنے کا موقعہ دیجئے"۔

ہم نے کہا۔" یہ غلط ہے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ مجھ کو جتنا سر یہاں کھپانا پڑا ہے اس سے زیادہ شیخ صاحب اور ان کی بیوی سے سر کھپانا پڑے گا۔ لہذا آپ تو اسی وقت کوئی فیصلہ کر دیجئے۔"

وکیل صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔" اچھا یہ بتائیے کہ ایسی چیز راز میں کیونکر رہ سکتی ہے۔"

ہم نے کہا۔" وکیل صاحب آپ کو صرف اسی وقت یہ چیز صیغۂ راز میں رکھنا ہے جبتک کہ آپ کا نکاح نہ ہو جائے اس کے بعد تو اگر یہ بات میر صاحب کو معلوم بھی ہو جائے تو وہ سوائے بل کھا کر رہ جانے کے اور کیا کر سکتے ہیں۔"

وکیل صاحب نے پھر سر جھکا کر غور کیا اور پانچ منٹ کی مسلسل خاموشی کے بعد بولے:" ہاں واقعی اس راز کا افشا ہونا برحق ہے مگر نکاح سے پہلے افشا نہ ہونا چاہئے اس کا آپ انتظام کر لیجئے اور اس کے بعد اختیار ہے جو چاہیں کریں۔

ہم نے فرط مسرت سے وکیل صاحب کو گلے سے لگا لیا حقیقتاً اس وقت ہم کو ایسی مسرت ہوئی تھی کہ گویا وکیل صاحب نے خود ہم کو نکاح میں قبول کر لیا ہے ہم نے ان کو بھینچ بھینچ کر گلے لگانے کے بعد اُن سے کہا۔" تھینک یو وکیل صاحب واللہ بہت بہت شکریہ جیسا اس وقت تم نے مجھ کو خوش کیا ہے خدا تم کو زندگی بھر خوش رکھے اچھا تو میں اب آپ کی باضابطہ نسبت دیدوں نا۔"

وکیل صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔" ہاں ہاں بھائی اور آخر کس طرح کہوں۔ کہو تو اسٹامپ منگا کر لکھ دوں تمہارا حکم کوئی انسان تو ٹال سکتا نہیں جانور شاید ٹال دیں"
یہ کہتے ہوئے وکیل صاحب چل دیے۔"

سولھواں باب

وکیل صاحب کو راہ پر لانے کے بعد گویا یہ نسبت آدھی تو طے ہی ہو گئی تھی
صرف آدھی طے ہونا باقی تھی لیکن یہ آدھی جواب طے کرنا تھی دراصل جوئے شیر
لانے سے کم مشکل نہ تھی اس لئے کہ سب سے پہلے تو ہم کو جناب شیخ صاحب قبلہ اور
محترمہ شیخانی صاحبہ مدظلہا کی ان غلط فہمیوں کو دور کرنا تھا جو ہمارے متعلق قائم
کئے ہوئے تھیں اور ظاہر ہے کہ یہ غلط فہمیاں آسانی سے دور ہو نہیں سکتی تھیں
بلکہ یہ طے تھا کہ صاف گوئی دور افشائے راز کے بعد شیخ صاحب پر تو گویا بجلی
گر پڑے گی اور شیخانی صاحبہ کی بہت ممکن ہے کہ قلب کی حرکت بند ہو جائے
بہر حال اس افشائے راز کے بعد سخت سے سخت حادثہ کا ہو جانا قطعاً
غیر متوقع نہیں کہا جا سکتا تھا مگر ہم مجبور تھے کہ ہم کو اب شیخ صاحب اور ان
کی اہلیہ محترمہ کو غلط فہمی کی گہری نیند سے بیدار کرنا تھا اور اپنے کو ان کے
سامنے بے نقاب پیش کرنا تھا لہذا ہم نے اس مہم کو سر کرنے کا مصمم ارادہ
کر لیا اور دل ہی دل میں یہ سوچتے ہوئے کہ شیخ صاحب اور شیخانی صاحبہ
سے یہ کہیں گے اور وہ کہیں گے ان کے گھر چل دئے چنانچہ جس وقت ہم
ان کے دروازہ پر پہونچے ہیں شیخ صاحب دروازے کے باہر نکل ہی رہے
تھے ہم کو دیکھتے ہی بجائے اس کے کہ ہمارے سوال کا جواب دیتے دروازہ

میں منھ ڈال کر زور سے بیچنے۔ "لو وہ خود ہی آ گئے۔ اری سنتی ہو۔ وہ تو خود ہی آ گئے۔"

ہم نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ "کہئے خیریت تو ہے کیا معاملہ ہے۔"

کہنے لگے "آپ ہی کے پاس وارنٹ گرفتاری لے کر بھیجا جا رہا تھا اس لئے کہ آپ جب سے گئے ہیں بہت غائب رہتے ہیں۔"

قبل اس کے کہ ہم کوئی جواب دیں شیخانی صاحبہ نے کمرہ میں آ کر آواز دی۔ "آجاؤ اور ان کو بھی لے آؤ۔"

ہم شیخ صاحب کے ہمراہ کمرہ میں داخل ہوئے اور شیخانی صاحبہ کو ادب سے سلام کیا تو وہ بولیں "جیتے رہو سلامت رہو۔ یہ آخر تھے کہاں۔ میری طبیعت پریشان ہو گئی رات ہی سے میں نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ صبح اٹھتے ہی تمہارے پاس جائیں اور خیریت لے آئیں مگر ان کی صبح اب ہوئی تھی اور وہ بھی اس طرح کہ تڑکے سے ان کو اٹھا کر برابر کہہ رہی ہوں اور یہ ہیں کہ اب حقہ پی رہے ہیں اور اب کنگھی چوٹی ہو رہی ہے اتنا دن آگیا اب چلے تھے۔ ہاں تو تھے کہاں؟ بھائی بات یہ ہے کہ تم کو یہاں اتنی تکلیف ہوئی ہے کہ اب ادھر کا رخ بھی کرنا نہیں چاہتے۔"

ہم نے بات کاٹ کر کہا۔ "ارے یہ آپ کیا فرما رہی ہیں واللہ مجھ کو تو اس گھر میں وہ آرام ملا ہے کہ اپنے گھر کا لطف آگیا اور میں نے تو آپ کی شفقت میں شفقت مادری کا مزہ پایا۔ میں آپ کے یہاں نہیں آیا مگر دراصل آپ ہی کے کام میں مصروف تھا۔"

شیخانی نے آنکھیں پھراتے ہوئے کہا۔ "چلو رہنے بھی دو معلوم نہیں میرا کون سا ایسا کام تھا جس میں یہ بیچارے مصروف تھے ایسی بہانہ بازیاں کسی اور سے کرو۔"

شیخ صاحب بولے ."جی ہاں ۔ ع

برد ایں دام بر مرغ دگرنہ

یہ ان جھانسوں میں آنے والی نہیں ہیں ۔"

ہم نے کہا ۔" نہیں واقعی میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ ایک نہایت اہم قصہ درپیش تھا جس کا آپ ہی لوگوں سے تعلق ہے ۔"

شیخانی صاحبہ نے بات کاٹ کر کہا ۔" دیکھو میں کہے دیتی ہوں کہ اس موئے چنڈول کا ذکر تو میرے سامنے کرنا نہیں میں اس کا نام بھی سننا نہیں چاہتی ۔"

ہم نے کہا ۔" کون میر صاحب اجی نہیں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مجھ کو آج ذرا تفصیل سے ایک نہایت اہم گفتگو آپ سے اور شیخ صاحب سے کرنا ہے بشرطیکہ آپ لوگوں کو کوئی کام نہ ہو ۔"

شیخانی صاحبہ نے سنجیدگی کے ساتھ کہا ۔" ہاں ہاں کہو کوئی کام نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو ایسا نہیں ہے کہ کوئی ہرج ہو ۔"

ہم نے اب وہ تمام الفاظ یاد کرنا شروع کر دیئے جو گھر سے چلتے وقت اسی موقعہ کے لئے یاد کئے تھے مگر کوئی بات یاد نہ آئی اور ادھر یہ حال کہ شیخ صاحب اور شیخانی صاحبہ دونوں ہمہ تن گوش ہو کر منتظر بیٹھے تھے آخر ہم نے ان کو زیادہ منتظر رکھنا مناسب نہ سمجھ کر کہا ۔" ثریا کی شادی کے متعلق مجھ کو آپ سے آج تفصیلی گفتگو کرنا ہے ۔"

خدا جانے کیا سمجھ کر شیخانی صاحبہ کے چہرہ پر یکایک خوشی کی چمک پیدا ہو گئی اور انھوں نے بات کاٹ کر کہا ۔" ہاں ہاں گفتگو کرو ۔"

ہم نے کہا۔" مجھ کو یہ بتانے کی غالباً ضرورت نہیں ہے کہ میں اس گھر سے کیا روحانی تعلق رکھتا ہوں اور مجھ کو ثریا کا بالکل ایسا ہی خیال ہے کہ اگر ثریا کا کوئی حقیقی بڑا بھائی ہوتا تو اس سے زیادہ اس کو بھی خیال نہ ہوتا ۔"

شیخ صاحب نے شیخانی صاحبہ کو گھور کر دیکھا اور شیخانی صاحبہ نے شیخ صاحب کو مگر ہم نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:۔

" میں اسی وقت سے جب سے کہ میر صاحب نے یہ حماقت آمیز سلسلہ جنبانی شروع کی تھی اس مذاق کے ساتھ ہی ساتھ اس فکر میں تھا کہ کسی بہتر لڑکے کو تجویز کر کے آپ کے سامنے پیش کروں ۔ مگر دوران میں میرے اور آپ کے تعلقات اس حد تک بڑھ گئے کہ اب مجھ کو ثریا کے لئے کسی لڑکے کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ محض یہی کافی ہے کہ خود میں اس لڑکے کو پسند کر لوں لہذا اب میں نے ایک لڑکا پسند کیا ہے اور محض آپ سے منظوری چاہتا ہوں"۔

شیخ صاحب نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔" بھائی بات اصل میں یہ ہے کہ دراصل اور فی الحقیقت یعنی یہ کہا ۔"

شیخانی صاحبہ نے ان کو ڈانٹا۔" کہ تم چُپ رہو آخر جب بات کرنا ہے تو صاف کیوں نہ کی جائے ان سے کون سا پردہ ہے ۔" اور اس کے بعد ہماری طرف متوجہ ہو کر بولیں۔" میں تم سے ایسی بات کہنے والی ہوں جو لڑکی والے کبھی نہیں کہتے مگر جیسے آزاد خیال تم ہو ویسی ہی میں بھی ہوں بات یہ ہے کہ جس دن سے تمہاری اور ان کی شناسائی ہوئی ہے اور میں نے تم کو دیکھا ہے اسی دن سے میرے ذہن میں یہ خیال تھا کہ میری ثریا کا دولھا بس ایسا ہی ہو بلکہ یہ سمجھو کہ تم ہی کو میں نے انتخاب کر لیا تھا اور اس سلسلہ

میں جب کبھی ثریا کے باپ سے گفتگو ہوئی میں نے یہی کہا کہ ہم کو ثریا کے لئے اب کسی

فکر کی ضرورت نہیں خدا نے کنواں خود پیاسے کے پاس بھیجا ہے بلکہ ایک آدھ مرتبہ

اشارتاً تم سے بھی کہا گیا اور ہم دونوں اب تک اسی کے منتظر تھے کہ تمہاری طرف سے

کوئی اشارہ پائیں مگر تمہاری طرف سے آج یہ سننے میں آرہا ہے۔"

شیخانی صاحبہ یہ کہہ کر رک گئیں اور شیخ صاحب بھی گردن جھکائے خاموش بیٹھے

رہے تو آخر ہم نے خود نظریں نیچی کئے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "اس بات کو اگر آپ نہ چھیڑتیں

تو اچھا تھا اس لئے کہ حقیقتاً میں اپنی اس بدنصیبی کو الفاظ کی صورت میں بیان ہی نہیں

کر سکتا جو اس ملتے ہوئے خزانے سے مجھ کو روک رہی ہے لیکن میں مجبور انسان کی حیثیت

سے اس خوش قسمتی سے انکار کر رہا ہوں جو میرے سامنے پیش کی گئی ہے۔ میرے لئے

اس سے بڑھ کر مسرت اور فخر کی اور کیا بات ہو سکتی تھی کہ آپ مجھ کو اپنی غلامی میں

قبول کریں اور اپنی اولاد بنا کر کلیجہ سے لگالیں مگر میں آزاد نہیں، پابند ہوں، بکا

ہوا ہوں اور گو میری شادی ابھی تک نہیں ہوئی ہے مگر میں بچپن ہی سے ایک

ایسی لڑکی سے منسوب ہوں جو تخیل ہی تخیل میں اپنی تمام امیدوں کا مرکز مجھے

سمجھ چکی ہے۔ اب اگر میں اس کی ان امیدوں پر پانی پھیر دوں جن کے پروان

چڑھنے کا اس نے اپنی تمام عمر انتظار کیا ہے اور اب اُن امیدوں کے پورا ہونے

کا وقت آیا ہے تو بتائیے کہ میں کتنے بڑے گناہ کا مرتکب ہوں گا۔ مجھ کو یقیناً

اپنے والدین کی برہمی کا بھی خیال ہے اور مجھ کو اس کا بھی اندیشہ ہے کہ میری

بوڑھی ماں اور ضعیف باپ میرے اس فعل کے متحمل نہ ہو سکیں گے لیکن اس

سے کہیں زیادہ مجھ کو اس بے زبان معصوم اور بھولی لڑکی کا خیال ہے جو ہوش

سنبھالنے کے بعد سے اب تک یہی سمجھتی چلی آئی ہے کہ میں اس کا ہونے والا شوہر
ہوں اور جس نے اپنے دل اور اپنی روح میں میرے تخیلات کا گھر بنا لیا ہے
میں آپ سے صحیح عرض کرتا ہوں کہ یہی مجبوری میرے اور آپ کے درمیان دیوار
بن کر حائل ہوگئی ہے لیکن اس حیثیت کے علاوہ میں اپنے کو اولاد سے کم تابعدار
ثابت نہ ہونے دوں گا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کو مجھ کو ثریا کی شادی کی ایسی ہی
فکر تھی کہ گویا وہ میری ماں جائی بہن ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ میں آپ کو اپنی ماں
اور اس کو اپنی بہن سمجھتا ہوں"۔

شیخانی صاحبہ اور شیخ صاحب نے ہماری اس تقریر کو محویت کے ساتھ سنا۔ اور
ہمارے خاموش ہونے کے بعد شیخانی صاحبہ نے کہا۔" خدا گواہ ہے کہ تمھاری یہی
سعادت مندی ہے جس نے مجھ کو موہ لیا ہے اور تم بھی اس کا یقین جانو کہ میں تم کو
ثریا سے کم نہیں سمجھتی ہوں بلکہ میں تو یہی سمجھتی ہوں کہ خدا نے مجھ کو اتنا بڑا پلا پلایا
لڑکا دیا۔"

ہم نے شیخانی صاحبہ کی اس شفقت سے متاثر ہو کر کہا۔" خدا کرے میں آپ
کے لئے واقعی سعادت مند ثابت ہوں۔ اور اس منھ بولی ہوئی بات کو سچ کر
دکھاؤں۔ ہاں تو اب مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں ثریا کی اس نسبت کے متعلق
کچھ کہوں جو میں نے اپنے نزدیک طے کر لی ہے"۔

شیخانی صاحبہ نے کہا۔" ہاں ہاں کہو میں سُن رہی ہوں"۔

ہم نے کہنا شروع کیا۔" میر صاحب کے صاحبزادے یعنی وکیل صاحب کو میں
نے اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ وہ آپ کے یہاں باقاعدہ نسبت دیں۔"

شیخانی صاحبہ نے بات کاٹ کر کہا: "اسی موئے لنگور کا لڑکا۔"

ہم نے کہا۔" جی ہاں اُن ہی میر صاحب کے صاجزادے مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ شیطان کے گھروں پیدا ہوا ہے۔ تعلیم یافتہ ہے تھوڑے ہی دنوں میں اس نے اپنی وکالت کا رنگ جما لیا ہے۔ تندرست ہے، خوبصورت ہے، شریف ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ محض نسلاً شریف نہیں بلکہ ذاتی طور پر بھی شریف ہے ثریا کے لئے ایسے ہی لڑکے کی ضرورت تھی اور میں نے ایسا ہی دولھا ثریا کے لئے ڈھونڈھا ہے۔"

شیخانی صاحبہ نے کہا۔" مگر یہ کیا قصہ ہے کہ باپ الگ مرے جاتے ہیں اور بیٹے کی نسبت الگ۔"

ہم نے کہا۔" یہ ایک طویل داستان ہے اس وقت تو صرف اتنا ہی سمجھئے کہ میر صاحب کو اس شادی کا علم ہی نہیں ہو سکتا۔ جبتک کہ نکاح نہ ہو جائے۔"

شیخانی صاحبہ نے شیخ صاحب کی طرف دیکھا جو پاندان کھولے ہوئے ڈلی کاٹنے میں مصروف تھے، اور اُن سے کہا ——— "کہو کیا کہتے ہو۔"

شیخ صاحب نے کہا:" میں کیا جانوں تم جانو اور یہ جانیں مگر یہ اچھا ہوتا کہ میں بھی اُن صاجزادے سے ذرا مل لیتا۔"

ہم نے یہ تجویز پیش کی کہ اچھا تو پھر کل اُن کو یہاں لے آؤں آپ دونوں دیکھ لیں۔ اس تجویز کو دونوں نے پسند کیا اور یہی طے پایا کہ کل چائے پر ان کو مدعو کر دیا جائے۔

سترھواں باب

ذرا غور تو کیجئے کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا تھے اور اس قصہ میں پڑ کر اپنے سر ہم نے کیا عذاب مول لیا تھا ایک طرف تو ہماری ایک ٹانگ میر صاحب قبلہ کھینچ رہے تھے دوسری ٹانگ میر صاحب کے صاحبزادے کے سپرد کر دی تھی۔ ایک ہاتھ شیخ صاحب اپنی طرف کھینچ رہے تھے اور ایک ہاتھ شیخانی صاحبہ رہ گیا دل وہ کمبخت ثریا کی طرف کھنچا جا رہا تھا حالانکہ ہم نفس کشی کا مصمم ارادہ کر چکے تھے اور یہ طے کر لیا تھا کہ ثریا کی شادی اگر خدانخواستہ وکیل صاحب کے ساتھ نہ بھی ہو سکی تو بھی کسی اور کو ڈھونڈھیں گے۔ مگر خود امیدوار نہ بنیں گے ہم نے اس کو سچے دل سے بہن بنا لیا تھا مگر آپ جانتے ہیں کہ دل تو عجیب چیز ہوتا ہے بلکہ ہم تو اس کو شیطان کا گزر سمجھتے ہیں جس سے شیطان انسان پر حملہ کرتا ہے چنانچہ بار بار یہ حضرت تڑپتے تھے اور ہم کو ہماری نیت میں نہایت صفائی کے ساتھ ڈانواں ڈول کر دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم ثریا اور وکیل صاحب کی شادی کے سلسلہ میں جلد ہی کر رہے تھے چنانچہ ہم اس کے لئے تیار ہی بیٹھے تھے کہ وکیل صاحب کو ہمراہ لے کر شیخ صاحب کے یہاں جائیں کہ میر صاحب کا آدمی آیا اور ہم سے کہا۔ " حضور آپ کو یاد کر رہے ہیں اور کہا ہے کہ بڑا ضروری کام ہے۔"

کچھ نہ پوچھئے اسوقت ہمارے غصہ کا عالم۔ مگر وکیل صاحب نے ہنس کر کہا

"ہو آیئے آپ میں منتظر ہوں آپ کا دیکھئے کیا کہتے ہیں۔"

چنانچہ ہم ملازم کے ساتھ ہی میر صاحب کے یہاں چلے گئے، جو مسند پر بیٹھے گاؤ تکیہ سے لگے ہوئے اونگھ رہے تھے ہم کو دیکھتے ہی گویا چونک کر بولے۔ "ارے بھائی میں نے اس لئے بلایا ہے کہ عرصہ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی اور نہ شیخ صاحب کے یہاں کا کچھ حال ہی معلوم ہوا بھائی حبیب نہیں تو ذکر حبیب سے بھی ترساؤ گے۔"

ہم نے اس ناپاک خبیث بڈھے پر خاموشی سے دانت پیسنے کے بعد کہا۔ کیا عرض کروں بات یہ ہے کہ علالت کے زمانہ میں دفتر کا کام اس قدر بچھڑ گیا ہے کہ سر اُٹھانے کی مہلت نہیں ملتی دن رات وہی چکی پیسنا پڑتی ہے چنانچہ اسوقت بھی صاحب نے بنگلہ پر بلایا تھا اور میں وہیں جا رہا تھا کہ آپ کا آدمی پہونچا۔"

میر صاحب نے عاجزی کے ساتھ فرمایا۔ "بھیا تم آجاتے ہو تو ذرا تسکین ہو جاتی ہے ورنہ تنہا ہم ہیں اور خدا جانے کیا کیا خیالات بعض وقت تو طبیعت سخت پریشان ہو جاتی ہے اور آجکل تو صحت بھی ایسی خراب ہو رہی ہے کہ بس خدا ہی یاد آتا ہے دل کی بیماری الگ ہے اور پیٹ کی الگ ضعف معدہ کے پرانے مرض کا حملہ ہوا ہے کوئی چیز ہضم ہی نہیں ہوتی۔ میں یہ چاہتا تھا کہ تم ذرا پھر شیخ صاحب سے مل لیتے اور ان سے پھر منت سماجت کرتے اب تم ہی دیکھو کہ اس بیماری کے زمانہ میں اگر بیوی ہو تو شوہر کو کس قدر آرام مل سکتا ہے۔ مگر ہماری قسمت ہی میں آرام نہیں ہے۔"

ہم نے کہا۔ "نہیں آپ مطمئن رہیں انشاء اللہ آج ہی پھر اُن کے پاس جاؤں گا اور پھر کوشش کروں گا مگر اس وقت اجازت دیجئے مجھ کو صاحب کے بنگلہ پر فوراً

پہونچنا ہے۔"

میر صاحب نے بادل ناخواستہ کہا۔" اچھا تو جاؤ مگر پھر جا کر بھول نہ جانا اور شام تک ملنا ضرور۔"

ہم ہاں ہاں کہتے ہوئے جان چھڑا کر وہاں سے بھاگے اور اپنے یہاں پہونچ میر صاحب کے صاحبزادے کو ساتھ لے کر شیخ صاحب کے یہاں جا پہونچے۔ میر صاحب کے صاحبزادے نے لاکھ لاکھ پوچھا کہ والد صاحب سے کیا باتیں ہوئیں مگر ہم نے ان سے یہی کہا کہ پھر کسی وقت بتائیں گے بہت تفصیل طلب ہیں۔ بات یہ ہے کہ شیخ صاحب کے یہاں پہونچنے میں دیر ہو گئی تھی اس لئے ہم جلدی میں کچھ گھبرائے ہوئے سے تھے چنانچہ جس وقت ہم دونوں شیخ صاحب کے یہاں پہونچے ہیں۔ وہ بیچارے ہمارے ہی انتظار میں دروازہ پر ٹہل رہے تھے چنانچہ ہم کو دیکھتے ہی گھر میں گھس گئے غالباً بیوی کو ہماری آمد کا مژدہ سنانے گئے ہوں گے اور اس کے بعد فوراً ہی برآمد ہو کر ہم دونوں کا نہایت تپاک سے خیر مقدم کیا اور اپنے ہمراہ کمرہ میں لئے چلے گئے جہاں آج ایک بڑی میز نہایت سلیقہ سے چائے کے لئے لگائی گئی تھی۔ اور گلدستوں سے سجی ہوئی تھی ہم نے وکیل صاحب کو دانستہ پردہ کے سامنے والی کرسی پر بٹھایا تاکہ شیخ صاحب کے علاوہ شیخانی صاحبہ بھی آسانی کے ساتھ ان حضرت کی زیارت سے مشرف ہو سکیں اور خود ان کی بغل والی کرسی پر بیٹھ گئے۔ شیخ صاحب نے ہم سے متوجہ ہو کر کہا۔ ؏

بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے

ہم نے کہا۔" جی ہاں عین موقع پر ایک صاحب نے گرفتار کر لیا تھا چنانچہ اس

وقت انہی کے مفرور ہیں ۔"

شیخ صاحب کچھ اور کہنا ہی چاہتے تھے کہ دروازہ کی دستک سن کر خاموش ہوگئے اور بجائے کچھ کہنے کے "حکم حاکم مرگ مفاجات" کے انداز سے فوراً دروازہ پر پہونچے اور وہاں سے پھلوں کی بھری ہوئی کشتی لئے ہوئے تشریف لائے جس کو ہم نے لے کر تمام رکابیاں قاعدہ سے میز پر لگا دیں اتنی دیر میں شیخ صاحب دوسری کشتی لئے آئے جس میں کیک، پیسٹری، بسکٹ اور مٹھائیاں تھیں پھر تیسری کشتی چائے کے لوازم کی آئی اور اب ہم سب نے بیٹھ کر اس بھری ہوئی میز کو صاف کرنا شروع کر دیا شیخ صاحب ہماری تواضع میں مصروف تھے اور ہم وکیل صاحب کی تواضع میں حالانکہ نہ ہمارے لئے تواضع کی ضرورت تھی نہ وکیل صاحب کے لئے ہم دونوں خود ہی تکلف کو دنیا کا بدترین عیب سمجھتے تھے بہرحال تھوڑی ہی دیر میں اس میز کا بیشتر حصہ خالی ہوگیا۔ اور یہ تمام سامان اٹھا دیا گیا چائے سے فارغ ہوکر ہم نے شیخ صاحب کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا، اب کچھ پیٹ میں گیا ہے تو حواس ٹھکانے ہوئے ہیں آپ دونوں کا تعارف تو کرا دوں۔ آپ میر صاحب کے صاحبزادے مسٹر ارشاد حسین رضوی۔ بی، اے، ایل، بی، ایڈوکیٹ ہیں اور آپ شیخ عنایت صاحب یہاں کے ہر دلعزیز رئیس ہیں۔"

وکیل صاحب اور شیخ صاحب دونوں نے گرمجوشی کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ شیخ صاحب نے کہا۔

میں نے آپ کو دیکھا ضرور ہے مگر آپ بہت چھوٹے تھے اس وقت۔"

وکیل صاحب نے اپنے حسین چہرے پر مہذب قسم کا تبسم پیدا کر کے کہا۔" جی

ہاں ضرور دیکھا ہوگا آپ کا دیکھنا تو مجھ کو یاد نہیں ہے مگر آپا کو یعنی آپ کے گھر میں میں نے دیکھا ہے اور وہ مجھ کو یاد ہیں"۔

ہم نے کہا۔" لیجئے اب آپ دونوں تو ایسے گھل مل رہے ہیں کہ میرا وجود بیکار ہوا جا رہا ہے۔"

شیخ صاحب قہقہہ لگا کر اور وکیل صاحب مسکرا کر رہ گئے تو ہم نے پھر کہا۔" شیخ صاحب آپ اور وکیل صاحب ضروری گفتگو کر لیں۔"

شیخ صاحب نے کہا۔" مجھ کو گفتگو کچھ نہیں کرنا ہے صرف یہ پوچھنا ہے کہ اس عقد کا میر صاحب پر کیا اثر پڑے گا اور اس کے نتائج کیا ہوں گے"۔

وکیل صاحب نے گردن جھکا کر کہا۔" یہ سوال یقیناً اہم ہے اور یہ واقعہ ہے کہ میں والد صاحب قبلہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہا ہوں مگر اس بغاوت کا علم خود ان کو اس وقت ہوگا جبکہ وہ کچھ نہ کر سکیں گے ان کو عقد کے بعد اطلاع ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس وقت وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کر سکتے کہ دانت پیس پیس کر رہ جائیں یا اپنی آگ میں خود ہی جلیں۔"

ہم نے شیخ صاحب سے کہا۔" خیر اس سوال کو تو آپ اٹھائیے نہیں اس لئے کہ میر صاحب کے بھروسہ پر آپ شادی نہیں کر رہے ہیں بلکہ آپ تو براہ راست ان سے واسطہ رکھنا چاہیئے۔"

شیخ صاحب کچھ جواب دینے ہی والے تھے کہ دروازہ بجا اور شیخ صاحب تعمیل حکم میں پہونچے دروازہ پر وہاں خدا جانے میاں بیوی میں کیا کھسر پھسر باتیں ہوئیں بہر حال دو ہی منٹ کے بعد شیخ صاحب نے ہم سے آکر کہا تم کو بلایا جا رہا ہے لہذا اب ہم پہونچے

دروازہ کے پاس اور ہم کو دیکھتے ہی شیخانی صاحبہ نے ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"یہ جو تمھارے شیخ صاحب ہیں یہ تو خدا جانتا ہے بات کرنا بھی نہیں جانتے مجھ کو ایسے مرد پر سخت غصہ آتا ہے لیکن میں نے ان کو دیکھ لیا ہے اور ان کی باتیں سن لی ہیں مجھ کو تو لڑکے میں کوئی عیب نظر نہیں آتا پھر عیب ہو بھی کیسے سکتا ہے جب تم ایسا آدمی سفارش کر رہا ہے۔ مگر ابھی ہم کو آپس میں مشورہ کرنے کے لئے قطعی جواب دینے پر مجبور نہ کرنا بلکہ کل پرسوں تک جوڑے پائے گا دیکھا جائے گا۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ اگر شادی کے بعد اس بڈھے نے کچھ گڑبڑ کیا۔

ہم نے جل کر کہا۔" اجی ڈالئے جہنم میں اس خبیث کو اس سے کیا مطلب آپ تو اس شرط پر شادی کیجئے کہ جبتک یہ راز افشا ہو کر اپنی تمام طوفانی کیفیات ختم نہ کرے گا اور تمام قصے جھگڑے پاک نہ ہو جائیں گے آپ لڑکی کو رخصت نہ کریں گی بلکہ دولھا کو بھی یہیں رہنا پڑے گا۔

شیخانی صاحبہ نے غور کرنے کے بعد کہا۔" اچھا تو کل آکر ذرا مشورہ کر لو پھر جواب دو۔

ہم نے بھی جلدی کرنا مناسب نہ سمجھتے ہوئے شیخانی صاحبہ سے کہا۔" بہت اچھا"

شیخانی صاحبہ نے ہم کو پھر روکتے ہوئے کہا۔" مگر کل آ ضرور جانا۔ یہ نہ ہو کہ مجھ کو تمھارے لئے تھانہ پر حلیہ لکھانا پڑے"۔

ہم نے پکا وعدہ کر کے شیخانی صاحبہ کو مطمئن کیا اور اس کے بعد شیخ صاحب سے آکر کہا:۔

" اب جناب اس خاکسار کی جان بخشی کی جائے آپ نے جو کچھ کھلایا پلایا ہے اس کا شکریہ مگر اس کو اب وصول نہ کیجئے۔"

شیخ صاحب نے کہا۔" میں کیا جانوں تم جانو اور تمھاری منھ بولی ماں جانیں اُن سے اجازت لے لو پھر جاؤ۔"

ہم نے شیخ صاحب سے کہا۔" اُن سے اجازت مل گئی ہے غالباً اب آپ کو بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔" اور کہتے ہی ٹوپی اٹھائی جس کے ساتھ ساتھ وکیل صاحب اور شیخ صاحب بھی کھڑے ہوگئے۔ وکیل صاحب نے نہایت ادب کے ساتھ اپنے ہونے والے خسر کو سلام کیا۔ اور ہونے والے خسر صاحب نے نہایت شفقت سے جواب دیتے ہوئے رخصت کیا۔

اٹھارھواں باب

ثریا کی شادی یا وکیل صاحب کی شادی یا ان دونوں کی شادی بہر حال جو کچھ کہئے مگر سوال تو یہ ہے کہ آخر ہم کون تھے کہ بیچ میں خواہ مخواہ کودرہے تھے نہ ثریا سے کوئی خاص رشتہ تھا نہ وکیل صاحب ہی ہمارے کوئی سگے تھے مگر ہماری خدائی فوجداری کا یہ عالم تھا کہ دیکھنے والے یہی سمجھیں کہ یا تو ہم وکیل صاحب کے والد محترم ہیں اور نہ ثریا خاص ہماری اولاد ہے واللہ اس شادی کے لئے وہ اضطراب تھا کہ خاص اپنی شادی میں بھی نہیں ہوا اور نہ اپنی اولاد یعنی اپنی ذاتی اولاد کی شادی میں ہوگا۔ چنانچہ ملاحظہ فرمایئے کہ شیخانی صاحبہ نے دوسرے دن ہم سے قطعی جواب دینے کا وعدہ کیا تھا لہذا اس قطعی جواب سننے کے شوق میں رات بھر نیند نہیں آئی اور دوسرے دن صبح ہی چائے سے فارغ ہو کر شیخ صاحب کے یہاں جانے کے لئے تیار ہو گئے وہ تو کہئے کہ عین وقت پر میر صاحب نے اپنے ملازم کو ہماری روح قبض کرنے کے لئے بھیجدیا ورنہ ہم پہونچ بھی گئے ہوتے شیخ صاحب کے یہاں کب کے۔ بہر حال "طفل مکتب نمی رود" کے انداز سے میر صاحب کے یہاں جانا ہی پڑا اور میر صاحب کے ساتھ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ سر کھپانا پڑا مگر ہم نے بھی میر صاحب کو وہ چرکا دیا ہے کہ خود ہم کو بڑا لطف آیا۔ بات یہ ہوئی کہ میر صاحب نے وہی اپنی شادی کا ذکر چھیڑا اور ہم سے پوچھا کہ کہو شیخ صاحب لے

کیا کہا ہم نے حاضر جوابی سے کام لے کر ان سے کہدیا کہ آج شیخ صاحب نے قطعی جواب دینے کا وعدہ کیا ہے۔ واللہ یہ ہم نے بالکل سچ کہا تھا میر صاحب کو یہ سنتے ہی اختلاج شروع ہو گیا کہ دیکھئے شیخ صاحب کیا حکم سناتے ہیں اور واقعہ بھی یہ ہے کہ اسوقت ان کی حالت اس مجرم کی سی ہو گی جس کو بیک وقت یہ بھی امید ہو کہ شاید مجھ کو بری کر دیا جائے اور یہ بھی امید ہو کہ شاید پھانسی کا حکم سنا دیا جائے بہر حال ہم میر صاحب کو اسی امید و بیم کے جھولے میں پینگ لیتا ہوا چھوڑ کر پہونچے سیدھے شیخ صاحب کے یہاں۔ شیخ صاحب بیٹھے ہوئے خضاب لگا رہے تھے اور اُن کے پاس ہی شیخانی صاحبہ بیٹھی ہوئی ڈلی کاٹ رہی تھیں چنانچہ ہم نے جیسے ہی آواز دی ہم کو شیخ صاحب نے فوراً ہی اندر بلا لیا۔ اور شیخانی صاحبہ نے ہم کو دیکھتے ہی کہا:۔

اللہ ری بدحواسی۔ معلوم ہوتا ہے رات بھر نیند ہی نہیں آئی ——— چائے بھی پی کر آئے ہو یا نہیں۔"

ہم نے کہا۔ "جی ہاں چائے پی کر آیا ہوں کیا آپ کے یہاں دس بجے بھی سویرا ہوتا ہے۔"

"اچھا چاہے تم قسم لے لو کہ تم نے چائے ابھی نہیں پی ہے" شیخانی صاحبہ نے کہا۔

ہم نے کہا۔ "اچھا میں بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ چائے پی کر آیا ہوں۔"

شیخ صاحب نے داڑھی پر پٹی باندھتے ہوئے کہا ——— "اماں لاحول ولاقوۃ یعنی وہ چائے پلانا چاہتی ہیں اور تم انکار کر رہے ہو سخت بیوقوف ہو۔"

ہم نے کہا۔ "یہ بات ہے تو لایئے چائے میں نے نہیں پی ہے۔"

شیخانی صاحبہ نے وہیں سے بیٹھے ہی بیٹھے آواز دی۔ "ارے ثریا، ذرا چائے میں پانی رکھ دو تمھارے بھائی صاحب آئے ہیں"۔ شیخانی صاحبہ نے آج پہلی مرتبہ ہم کو ثریا کا بھائی کہا ہے ورنہ ابتک اپنی اولاد تو کہتی تھیں مگر ثریا کا بھائی بہین بناتی تھیں اور یہ واقعہ ہے کہ آج ان کے اس طرح بھائی کہنے سے ہمارے بھی کلیجہ پر جیسے کسی نے گھونسہ مارا بہر حال ہم چپ ہو کر رہ گئے اس لئے کہ یہ خود کردہ تھا چائے کا آرڈر دینے کے بعد شیخانی صاحبہ نے خود ہی گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیا۔

"بھائی ویسے تو لڑکا اچھا معلوم ہوتا ہے مگر اب تم بھی اچھی طرح سمجھ بوجھ لو۔"

ہم نے کہا۔ "میں اچھی طرح سمجھ بوجھ چکا ہوں اور اگر سمجھ بوجھ نہ چکا ہوتا تو آپ سے ذکر بھی نہ کرتا۔"

شیخانی صاحبہ نے کہا۔ "نہیں، میرا مطلب یہ ہے کہ اسی خبیث کا گھر ہے۔"

ہم نے کہا: "اجی استغفر اللہ آپ کو کیا معلوم ہے کہ باپ اور بیٹے میں کس حد تک مخالفت ہے وہ بیچارہ خود یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح اس باپ کے گھر سے نجات ملے اور دیکھ لیجئے گا کہ شادی کے بعد وہ آپ کا غلام بن کر آپ ہی کے پاس نہ رہے تو میرا ذمہ۔"

شیخانی صاحبہ نے شیخ صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بتاؤ پھر تم بھی کچھ بتاؤ"

شیخ صاحب نے اپنے بندھے ہوئے منھ سے کہا۔ "میں کیا بتاؤں میری رائے میں تو ہم سے زیادہ ان کو خود ثریا کا خیال ہے اور یہ اس کی بھلائی کے لئے یہ سب کر رہے ہیں۔"

شیخانی صاحبہ نے فرمایا۔" بس تو پھر تم خود ہی منظور کر کے کوئی تاریخ مقرر کر دو نہ مجھ کو کوئی انتظام کرنا ہے نہ وہ کوئی انتظام کریں ہمارے یہاں صرف لڑکی ہے اور اللہ کا نام آئیں اور بیاہ کرلے جائیں۔"

ہم کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ دروازہ بجا اور اس کے بجتے ہی شیخانی صاحبہ نے کہا۔" لاتی کیوں نہیں ہے، کیا اپنا بھائی ہوتا تو اس سے پردہ کرتی تیرا سگا بھائی بھی ہوتا تو اس سے زیادہ کیا خیال رکھتا۔"

شیخ صاحب بولے۔" چڑیل کہیں کی بڑی پردے کی بو بو بنی ہے۔"

تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد شیخانی صاحبہ نے پھر کہا۔" ارے تو نے سُنا نہیں۔ لاتی ہے خود کہہ نہیں یں بھیجوں اُن کو۔"

شیخ صاحب نے بھی کہا۔" آجاؤ بیٹیا یہ تو تمھارے بھائی ہیں خدا نے تم کو یکشت اتنا بڑا بھائی دیا ہے۔"

مختصر یہ کہ بیچاری ثریا پر اتنا زور پڑا کہ وہ پردہ ہٹا کر سمٹی ہوئی سکڑی ہوئی لجائی شرمائی ہاتھ میں کشتی لئے ہوئے آہی گئی اب ایک اور قیامت ملاحظہ ہو کہ شیخ صاحب نے فرمایا۔

" سلام کر بڑے بھائی کو۔"

" وہ بیچاری کشتی رکھ کر اپنی ماں کی پیٹھ کے پیچھے گنڈلی مار کر بیٹھ گئی۔ شیخانی صاحبہ نے بھی کہا:۔

" سلام کیوں نہیں کرتی بھائی جان کو۔"

ہم نے اس بیچاری کی مشکل آسان کرنے کے لئے خود ہی کہدیا۔" اچھا ہو گیا سلام

اب آپ لوگ تو چاہتے ہیں کہ وہ بیچاری ایک دم سے بہن بن جائے حالانکہ اس کا دل گواہی دے رہا ہے کہ میں اس کا سگا بھائی نہیں ہوں وہ بیچاری رفتہ رفتہ یقین کرے گی۔

ثریا نے اپنے آپ کو اور بھی گٹھری کی صورت میں منتقل کر دیا اور شیخانی صاحبہ بھی ہنس کر چائے بنانے کی طرف متوجہ ہوگئیں یہانتک کہ جب ہم چائے پینے میں مصروف ہو گئے تو آنکھ بچا کر ثریا ایک جھپاکے کے ساتھ کمرہ سے غائب ہو گئی ہم سب اس پھرتی پر ہنستے ہی رہ گئے۔

ثریا کے چلے جانے کے بعد ہم نے شیخانی صاحبہ سے کہا۔" میں اسی ہفتہ کے اندر کوئی تاریخ مقرر کراتا ہوں مگر دیکھئے کہ آپ کو میری قسم جو آپ نے اس شادی میں کوئی بیکار سامان کر کے اپنے کو زیر بار کیا بالکل سادگی سے صرف نکاح کر دیجئے"۔ شیخانی صاحبہ نے اس شرط کو منظور کیا اور ہم خوش خوش گھر روانہ ہو گئے۔

اُنیسواں باب

وکیل صاحب کے تیور تھے کہ گویا وہ شادی کرکے اس خاکسار کو اپنا زر خرید غلام بنا رہے تھے۔ شیخ صاحب کا یہ حال تھا کہ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ یہ اُن کی لڑکی کی شادی نہیں بلکہ ہماری لڑکی کی شادی تھی شیخانی صاحبہ اس شادی کے انہماک میں اپنے شوہر نامدار تک کو بھول گئی تھیں اور ان کو اگر کوئی یاد رہ گیا تھا تو یہی خاکسار جس کا ناک میں دم کئے ہوئے تھیں ان سب کے علاوہ جناب میر صاحب ہمارے لئے ایک مستقل عذاب تھے کہ ان کا ملازم ہر وقت سر پر سوار رہتا تھا اور اگر کبھی چلے بھی جائیں تو ان کے پاس وہی پرانا دکھڑا تھا جس کے جواب میں ان کو خلد آشیاں کر دینے کو بے اختیار دل چاہتا تھا۔ مختصر یہ کہ ہم نے ہر طرف نظریں دوڑائیں مگر اس سلسلہ میں اپنے علاوہ کوئی بیوقوف ہم کو نظر نہ آیا واللہ قابلِ رحم ہماری حالت بھی تھی کہ وکیل صاحب کے تیور الگ دیکھتے تھے شیخ صاحب کی لاپرداہیاں الگ برداشت کرتے تھے کہ ہم تو دوڑ رہے ہیں اور دوڑتے دوڑتے مرے جا رہے ہیں اور وہ ہیں کہ اپنا حقہ لئے ہوئے داستان گوئی اور بیت بازی میں مصروف ہیں پھر سب سے زیادہ غصہ اس وقت آتا تھا جب یہ حضرت کسی سے ہماری تعریف کرتے کہ یہ میری اولادوں سے بڑھ کر اولاد ہے اور بھائیوں سے بڑھ کر بھائی مجھ کو خدا نے میری مدد کے لئے گویا ایک فرشتہ دیدیا ہے شیخ صاحب

کی بیوی کا یہ حال تھا کہ ننگنی کا ناچ نچا رہی تھی اور کبھی ہم تھک کر یا پریشان ہو کر ان سے یہ کہدیں کہ اس کام کو ذرا شیخ صاحب سے کرا لیجئے، تو سمجھ لیجے کہ بس قیامت آگئی ایسے موقعوں پر قصیدہ تو فرماتی تھیں۔ شیخ صاحب کی شان میں مگر گریز ہوتا تھا ہماری طرف کہ "بھائی دیکھو میں نے تم سے کہدیا ہے کہ جو تم نے ان کا نام میرے سامنے لیا مجھ کو جلانے اور میرا خون کھلانے سے تم کو کیا حاصل ہوگا بھلا غضب خدا کا کہ جس مردوے کو یہ بھی خبر نہ ہو کہ میری لڑکی کی شادی ہے اس سے کیسی بات کی امید رکھنا کس خدا نے بتایا ہے نہ اپنی عزت کا خیال نہ آبرو کا بس ہر وقت حقّہ اور ادھر اُدھر کی غپیں لڑانے کو مل جائیں۔ میرا تو ناک میں دم کر دیا ہے اگر بھیّا تم کو مجھ پر رحم کھا کر کچھ کام کرنا ہے تو کر دو نہ کر سکو تو جانے دو آخر تم اکیلی جان کہاں تک کولھو کا بیل بنو گے وہ تو کہو خدا نے نہیں معلوم تمھارے دل میں کیا بات ڈال دی ہے تم اپنوں سے زیادہ اپنے ہو گئے ہو اور خدا کی قسم میرے کلیجہ پر چوٹ لگتی ہے (آنسو پونچھ کر) جب مجھ کو یہ خیال آتا ہے کہ تمھارے ہوتے ہوئے میری ثریا غیروں میں جا رہی ہے خیر خدا کو یہی منظور تھا مگر تم خدا کے لئے اپنے شیخ صاحب کا ذکر میرے سامنے نہ کیا کرو میں ان کا نام بھی سننا نہیں چاہتی ان کو تم ان کے حال میں مگن رہنے دو میں بھی تو ان کو دکھا دوں کہ بغیر تمھارے بھی سب کام ہو سکتا ہے۔" خیر یہ تمام مصائب تو قابل برداشت تھے۔ مگر میر صاحب کو تو اس زمانہ میں واقعی گولی مار دینے کو دل چاہتا تھا اور جب ان کا آدمی ہم کو بلانے آتا تھا تو سچّے دل سے ان کی موت کے لئے ہم رب العزّت سے بھیگ مانگتے تھے اور خدا جانے کیا کیا بہانے کر کے ان کے ملازم کو ٹالا کرتے

بھے لیکن ایک دن دیکھتے کیا ہیں کہ میر صاحب خود ہی پالکی پر بیٹھے ہوئے تشریف لا رہے ہیں وہ تو کہیئے کہ اس وقت واقعی ہم دفتر کا کام پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے ورنہ کوئی عذر بھی نہ ملتا۔ ان کو دیکھتے ہی ہم گھبرا کر اٹھے اور پالکی سے ان کو اس طرح اٹھوا کر لائے جس طرح کسی مردے کو کندھا دیا جاتا ہے۔ یا دلہن کو اٹھایا جاتا ہے۔ بھلا غور تو کیجئے یہ تو حال تھا اس بڈھے کا دور سے اس کے جسم سے کافور کی بو آتی تھی۔ گویا نہ صرف مر چکا ہے بلکہ کفنایا بھی جا چکا ہے مگر شادی کے لئے مرا جاتا تھا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی شباب پھٹ پڑا ہے بہر حال بمشکل تمام میر صاحب کو آرام کرسی پر لٹا کر ہم ان کے سامنے بیٹھ کر انتظار کرنے لگے کہ ان کی سانسوں کا نظام درست ہو تو ان کی اس تکلیف فرمائی کا شکریہ ادا کریں مگر وہ تو اس طویل سفر کے باعث ایسے خستہ ہوئے تھے کہ پھولی ہوئی سانسوں کی وجہ سے بالکل نزع کا عالم طاری تھا اور ہم واقعی یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کی مٹی ان کو یہاں کھینچ کر لائی ہے خدا خدا کر کے کوئی آدھ گھنٹے کے بعد ان کے بچنے کی امید ہوئی اور سانس کی جو دھونکنی چل رہی تھی وہ بند ہو گئی یعنی باقاعدہ سانس آنے جانے لگی اور انھوں نے اپنے جسم کو بھی اس قسم کی حرکتیں دیں کہ زندگی کے آثار پائے جانے لگے۔ ہم نے ان کی حالت میں افاقہ دیکھ کر کہا:۔

"سخت تکلیف ہوئی آپ کو میری وجہ سے۔"

میر صاحب نے ہاتھ اٹھا کر ہم کو خاموش رہنے کی ہدایت کی جس سے ہم اور بھی سمجھے کہ واقعی ان کا وقت آ گیا ہے۔ مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد انھوں نے ایک آدھ مرتبہ کھانس کر ضعف سے تھرائی ہوئی آواز میں کہا:۔

"میں ـــــ اپنی ـــــ خطاؤں کی ـــــ معافی مانگنے آیا ـــــ

ـــــ ہو ـــــ ں ـــــ"۔

ہم نے ان کے قریب جھک کر کہا۔ "میر صاحب یہ آپ کیا فرما رہے ہیں آپ میرے بزرگ ہیں بھلا ـــــ"۔

میر صاحب نے بات کاٹ کر کہا۔ "بزرگ ہوں یا نہیں ـــــ مگر ـــــ خطادار ضرور ہوں ـــــ جس پر بھی ناراض ہو معاف کر دو"۔

ہم نے پھر وہی بات کہی۔ "یہ آخر آپ فرما کیا رہے ہیں"۔

میر صاحب نے اپنے تھرتھراتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "میں واقعی معافی مانگ رہا ہوں"۔

ہم نے جلدی سے میر صاحب کے ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "ارے ارے یہ آپ کیا کر رہے ہیں آخر بات بھی معلوم ہو۔

میر صاحب نے فرمایا۔ "تم مجھ سے ناراض ہو ورنہ اس بے رخی کے کیا معنی کہ میں بلاتے بلاتے تھک گیا مگر تم کو ایسا ہی میرے یہاں آنے سے انکار تھا کہ نہ آنا تھا نہ آئے۔"

ہم نے نہایت مسکین صورت بنا کر کہا۔ "میں اب آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ آج کل میں کس عالم میں ہوں اور زندگی کس طرح بسر کر رہا ہوں آپ خود ملاحظہ فرمایئے کہ یہ دفتر کا کام پھیلا ہوا ہے دن رات تو کولھو کے بیل کی طرح مصروف رہنا پڑتا ہے صبح سے دفتر کے وقت تک پھر دن بھر دفتر میں اور دفتر سے واپسی پر آدھی آدھی رات تک یہ کام کرتا ہوں مگر کسی طرح کام ختم ہی نہیں ہوتا۔"

میر صاحب نے کہا۔ "بھائی تو اس مصروفیت کا کیا ہوگا کہیں پھر نہ پڑ جانا۔"

ہم نے کہا۔ "کیا عرض کیا جائے بعض اوقات تو اس ملازمت سے اس قدر بیزار ہو جاتا ہوں کہ بغیر استعفیٰ کے بھاگ جانے کو دل چاہتا ہے بات یہ ہے کہ میں ادھر بیمار رہا اس کے بعد میں نے دفتر جانا شروع کیا ہی تھا کہ چھوٹے صاحب پر فالج کا حملہ ہوا اب ان کا تمام کام بھی میرے سر منڈھ دیا گیا ہے۔"

میر صاحب نے کہا۔ "بھائی تو یہ باتیں لکھ ہی بھیجتے۔ میں تو منتظر ہی تھا کہ تم آؤ گے اور شیخ صاحب کا قطعی جواب ضرور سناؤ گے مگر تم تو ایسے غائب ہوئے کہ بس پھر پتہ ہی نہ چلا۔"

ہم نے کہا۔ "بات یہ ہے کہ شیخ صاحب نے ایسا جواب دیا تھا کہ میں اس کو نہایت اطمینان کے ساتھ اور آپ کو ذرا مشتاق بنانے کے بعد سنانا چاہتا تھا۔ اور یوں نہیں بلکہ مٹھائی کے ساتھ۔"

میر صاحب نے خوشی کے مارے کرسی سے اٹھنے کی کوشش میں گرتے ہوئے کہا۔ "مٹھائی۔ مٹھائی۔ کیا کہا مٹھائی ابھی لو جتنی کہو اتنی منگاؤں مگر بتاؤ کیا کہا ذرا تفصیل سے بتانا۔"

ہم نے ہنستے ہوئے کہا۔ "پہلے مٹھائی کے دام دلوائیے یہی وقت تو چھوٹوں کے ضد کرنے اور بزرگوں کے ضد پوری کرنے کا ہوتا ہے۔ میں اس وقت سے فائدہ کیوں نہ اٹھاؤں۔"

میر صاحب نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر علی الحساب چھ روپے نکالتے ہوئے کہا۔ "یہ لو مٹھائی کے دام۔ اب تو بتاؤ شیخ صاحب قبلہ نے کیا فرمایا۔"

ہم نے روپے لیتے ہوئے کہا۔" صاحب بڑی مشکل سے ان کو رام کیا ہے وہ تو بالکل ہی متھے سے اُکھڑ گئے تھے چنانچہ جیسے ہی میں نے ان سے اس ذکر کو چھیڑا انھوں نے بہت ہی چیں بجبیں ہو کر کہا کہ میں بڈھے کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر کے اپنی لڑکی کو بیوگی کے سپرد کرنا نہیں چاہتا۔ اور اگر آپ اجازت دیں تو اس کے بعد جو کچھ کہا ہے وہ بھی لفظ بلفظ سنا دوں۔"

میر صاحب نے گھبرا کر کہا۔" ہاں ہاں تم سب باتیں مجھ کو سنا دو۔"

ہم نے کہا۔" اسکے بعد انھوں نے کہا کہ اس خبیث، مردود، کھوسٹ سے کہہ دینا کہ اگر آئندہ یہ تحریک کی تو ناک کٹوا لوں گا اور پھر مجھ سے کہا کہ خبردار جو تم آئندہ اس بدمعاش، ابلیس، نا ہنجار کا کوئی پیغام لے کر اس چوکھٹ پر آئے تم شریف ہو اور میں تمھاری عزت کرتا ہوں مگر اس ذلیل ترین انسان کی وکالت چھوڑ دو۔ میں نے جب شیخ صاحب کو اس طرح گرم دیکھا تو اِدھر اُدھر دیکھ کر ان کے قدموں پر ٹوپی رکھ دی اور وہ جو پیچھے کو کھسکے تو خود قدموں پر گر کر پیر پکڑ لیے اور نہایت عاجزی کے ساتھ اُن سے کہا کہ اب یہ سر اسی وقت اُٹھے گا جب آپ یا تو اس کو تلوار سے اُڑا دیں گے یا اس نسبت کو منظور کریں گے۔

میر صاحب نے جلدی سے کہا۔" تو پھر انھوں نے کیا کہا۔"

ہم نے کہا۔" وہ جناب برابر انکار کرتے رہے اور آپ کی شان میں گستاخیوں کا سلسلہ جاری رکھا دل چاہتا تھا کہ جس منھ سے وہ آپ کو گالیاں دے رہے تھے اسی منھ پر وہ ہاتھ دوں کہ دانت پیٹ میں اُتر جائیں اور منھ پر اُٹھا ہو جائے مگر اپنی غرض تھی لہذا خون کے گھونٹ پی پی کر ان کے قدموں سے لپٹے رہے آخر انھوں نے

عاجز ہوکر کہا کہ آدمیوں کی طرح اٹھو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس مسئلہ پر گفتگو کروں گا۔ میں نے کہا کہ گفتگو فتگو میں نہیں جانتا بس مار ڈالئے یا ہاں۔ کہیئے تو جناب انھوں نے مجھ کو اٹھاتے ہوئے کہا کہ اچھا میں کردوں گا ایک شرط پر وہ شرط اٹھ کر سن لو۔ یہ سن کر میں اٹھا تو انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ میں محض تمہاری وجہ سے اس ایثار کے لئے تیار ہوں مگر صرف اس شرط پر کہ دنیا مجھ پر یہ نہ ہنسے کہ میں نے روپیہ دیکھ کر لڑکی کو جہنم میں جھونک دیا میں دنیا والوں کو اس کا موقع ہی نہیں دینا چاہتا لہذا میر صاحب سے کہیئے کہ پہلے وہ ایک معمولی سے گذارہ کے علاوہ ایک ایک پائی اپنے لڑکے کے نام لکھدیں اس کے بعد میں لڑکی کی شادی کئے دیتا ہوں مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ دنیا کو اپنے اوپر ہنسواؤں کہ روپیہ پر لڑکی قربان کی گئی ہے۔"

میر صاحب نے خوش ہوکر کہا۔" پھر۔ پھر۔ پھر تم نے کیا کہا۔"

ہم نے کہا۔" اجی میں نے یہ سوچا کہ یہ تو بالکل نیکی اور پوچھ پوچھ کا معاملہ ہے۔ ایسا بیوقوف کہاں ملے گا لہذا میں نے فوراً کہا کہ اگر آپ کی یہی مرضی ہو تو یہی سہی ورنہ میر صاحب تو اس کے لئے تیار بیٹھے تھے کہ سب کچھ بیوی کے نام لکھ دیں گے۔"

میر صاحب نے کہا۔" اچھا اچھا پھر"

ہم نے کہا۔" جناب وہ کہنے لگے کہ میں خواہ مخواہ میر صاحب کے لڑکے کا حق مارنا نہیں چاہتا اس لئے کہ میر صاحب ممکن ہے خدا کے سامنے نہ جائیں مگر مجھ کو خدا کے سامنے جانا ہے میں اپنی لڑکی کی وجہ سے میر صاحب کے لڑکے کا حق

مار کر اس کا گلا کاٹنا گناہ سمجھتا ہوں۔ پہلے آپ میر صاحب سے کہئیے کہ وہ اپنا تمام ریاست کا کام لڑکے کے سپرد کر دیں اور اس کے نام لکھ دیں اس کے بعد شادی کی درخواست کریں میں نے فوراً کہہ دیا کہ ایسا ہی ہوگا اور جس قدر جلد ہو سکے گا میر صاحب کے لڑکے کے نام سب کچھ لکھ جائے گا تو انھوں نے کہا کہ اگر ایسا ہو گیا تو میں فوراً شادی کر دوں گا۔"

میر صاحب نے خوش ہو کر کہا۔" بھئی واللہ تم ہو بڑے کام کے آدمی' خوب شیخ صاحب کو رام کیا اچھا پھر طے کیا ہوا۔"

ہم نے کہا۔"طے یہی ہوا کہ اب آپ اس لکھا پڑھی کو جلد سے جلد ختم کر کے تمام کاغذات میرے حوالے کیجئے تاکہ میں شیخ صاحب کو اس کا یقین دلا سکوں اور اس کے بعد ہی نکاح ہو جائے گا۔"

میر صاحب نے کہا۔" اس طرح تو سانپ بھی مرا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹی لڑکا بھی خوش اور بیوی بھی ملی مگر میں ایک معقول حصہ اپنے گذارہ کے لئے رکھوں گا۔"

ہم نے کہا۔" ہاں ہاں صاحب مطلب تو یہ ہے کہ شیخ صاحب کی بات صحیح ہو جائے۔"

میر صاحب نے کہا۔" کل ہی لو کل ہی انشاء اللہ لکھا پڑھی کئے دیتا ہوں دو دن میں رجسٹری وغیرہ بھی ہو جائے گی۔"

ہم نے میر صاحب کو چائے پلانا چاہی مگر وہ غالباً اسی وقت اپنے لڑکے کے نام سب لکھ دینا چاہتے تھے لہذا فوراً فینس لگانے کا حکم دیا اور رخصت ہو گئے' ادھر ہم نے چپکے سے آدمی بھیجکر وکیل صاحب کو بلوا لیا تاکہ یہ مژدہ سنا دیں۔

بیسواں باب

واللہ لطیفہ تو اب ہو رہا تھا کہ ایک طرف صاحبزادے اپنی شادی کی خوشی میں مست تھے اور دوسری طرف والد صاحب قبلہ دام ظلکم کا یہ حال تھا کہ پھولے نہیں سماتے تھے رہ گئے ہم تو ہماری ٹانگیں تین حصّوں میں چری ہوئی تھیں یعنی میر صاحب کی لگام الگ لے کر ان کا چمکارنا پڑتا تھا وکیل صاحب کی طرف سے تمام انتظامات علیٰحدہ کرنے پڑ رہے تھے اور دلہن کے تو گویا سولہ آنہ انچارج ہم ہی تھے مگر سچ پوچھئے تو واللہ اس بڈھے کھوسٹ کے مارے ناک میں دم تھا بار بار ہم کو بلاتا تھا اور ایسی ایسی باتیں کرتا تھا کہ بعض وقت ہمارا دل یہی چاہتا تھا کہ اپنی کھوپڑی ان کی کھوپڑی سے فیصلہ کن طریقہ پر لڑا ڈالیں بات یہ تھی کہ اب ہم کو ان ذاتِ شریف سے خفیف بھی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی جائداد ان کے لڑکے کے نام لکھوا ہی چکے تھے اور شادی کے معاملہ میں خود ان کی اولاد کو ان کا باغی بنا ہی دیا تھا اب بتایئے کہ ہم کو ان حضرت سے کیا کام ہو سکتا تھا اور کیا دلچسپی ہو سکتی تھی پھر بھی نکاح تک ہم اس بڈھے کو چمکارنا سیاسیات کی رو سے مناسب سمجھتے تھے۔ لہذا جب دس مرتبہ یہ حضرت ہم کو بلوا چکتے تو ایک مرتبہ ہم اُن سے مل لیتے تھے چنانچہ جس اہم ملاقات کا ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ اسی قسم کی ملاقات تھی کہ میر صاحب صبح سے ہم کو بار بار بلوا رہے

تھے اور بلوانے کی ضرورت اس قدر اہم اور شدید ظاہر کی جارہی تھی کہ گویا ہم نہ گئے تو میر صاحب پر آسمان پھٹ پڑے گا بہرحال شام کو ہم اس ڈر سے چلے گئے کہ کہیں فینس پر اپنی لاش لدوا کر ہمارے غریب خانہ پر نہ بھنکوا دیں ہم کو دیکھتے ہی بولے :۔

"بھئی تم نے تو واللہ بے کہ کمال ہی کر دیا چاہے جیسی بات بھی ہو مگر تم وقت پر کبھی نہیں مل سکتے ۔ کچھ پتہ بھی ہے کہ کیا قیامت ہو گئی ۔

ہم نے حیرت سے کہا ۔ "کیا ہوا کیا ؟"

میر صاحب نے نہایت جوش کے ساتھ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا : "پھوٹی ہوئی قسمت کا یہ سب کھیل ہے ——— تقدیر جب خراب ہوتی ہے تو اپنے ہی بیر دشمن ہو جاتے ہیں اور وہ دغا باز شیخ صاحب کا بچّہ ——— میرا کلیجہ پھٹا جا رہا ہے ۔"

اس وقت میر صاحب کی حالت واقعی کچھ ایسی غیر ہو رہی تھی کہ ہمارے ہاتھوں کے بھی طوطے اُڑ گئے اور ہم ششدر رہے کہ واقعہ کیا ہوا ان حضرت سے پوچھنا تو درکنار یہاں تو یہ عالم تھا کہ بس جو سانس آرہی تھی وہ آرہی تھی ایک عجیب تشنجی کیفیت تھی جس میں یہ بیچارہ بڈھا مبتلا تھا ۔ آخر بمشکل تمام ڈرتے ڈرتے ہم نے دبی ہوئی آواز میں کہا :۔

"کچھ تو بتائیے میں سخت پریشان ہو رہا ہوں آخر قصہ کیا ہے ؟"

میر صاحب نے ہمارا ہاتھ پکڑ کر اس انداز سے اپنے آگے کھینچا کہ ہم تو سمجھے کہ کاٹا اس بڈھے نے آج مگر انھوں نے ہمارے کان کے قریب اپنا منھ لا کر کہنا

شروع کیا۔ "آپ میری شادی ٹھہرا رہے تھے اور وہاں ٹھہر گئی ہمارے صاحبزادے صاحب کی۔"

ہم نے بڑی زور سے منہ کھول کر اور آنکھیں پھاڑ کر کہا ــــــ "ایں۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

میر صاحب نے کھا جانے کے انداز سے کہا۔ "جی ہاں جو میں کہہ رہا ہوں اس کو سنئے اور سچ سمجھئے آج میرے ملازم الٰہی بخش نے مجھ کو تمام تفصیلات آکر بتائی ہیں کہ شیخ عنایت اللہ کا ملازم اپنے ہمراہ درزی کو لے کر آیا اور میرے اس ناخلف لڑکے کا لباس ناپا گیا۔"

ہم نے دانت پیس کر کہا۔ "یہ فریب مگر میں نے بھی شیخ عنایت اللہ صاحب کی تمام شیخی نہ نکال دی ہو تو اپنا نام بدل دوں گا مگر بڑا چالاک ہے یہ شخص بھی۔"

میر صاحب نے اپنا کلیجہ پکڑتے ہوئے کہا۔ "اور نہیں تو کیا ہماری اور تمہاری طرح سے بیوقوف ہوتا۔ اس نے تو ہم کو اور تم کو صاف بیوقوف بنایا ہے کہ تم کو ایک فقرہ دے کر میرے پاس بھیجا اور میں نے بھی چپکے سے اس مردود کی مرضی کے مطابق اپنی تمام جائداد کی لکھا پڑھی کر دی۔ ہائے رے مقدر اور روائے ری تقدیر۔"

ہم نے کفِ افسوس ملتے ہوئے اور ہنسی کو روکنے کے لئے اپنے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "مگر وہ آپ کے صاحبزادے ــــــ"۔

میر صاحب نے غصہ سے بات کاٹ کر بلکہ خود ہم ہی کو کاٹ کھانے کے انداز سے کہا۔ "میرا صاحبزادہ مت کہو اس اُلو کے پٹھے کو وہ گدھے کا بچہ ہے"

ہم نے کہا۔ "بیشک جو کچھ بھی کہئے ٹھیک ہے۔"

میر صاحب نے اور جوش میں کہا۔" وہ۔ وہ۔ وہ میرا بھی باپ نکلا"۔
ہم نے گردن جھکا کر کہا۔" واقعی مجھ کو سخت حیرت ہو رہی ہے کہ یہ قصہ کیا ہے"۔
میر صاحب نے کہا۔" میں اس کو تو خیر عاق کر سکتا ہوں مگر اس شیخ عنایت اللہ کے بنچے۔ کو کیا کروں"۔

ہم نے کہا۔" میر صاحب میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ آپ سے زیادہ میرے کلیجہ کو اس خبر نے پاش پاش کیا ہے اور میں بغیر انتقام لئے ہوئے مانوں گا بھی نہیں مگر میں اس قصہ کی نہایت ٹھنڈے دل سے تحقیقات کرنا چاہتا ہوں"۔

ہم یہیں تک کہنے پائے تھے کہ خود ہمارا ملازم دوڑتا ہوا آیا اور اس نے ہم سے کہا کہ۔" حضور شیخ عنایت اللہ صاحب تشریف لائے تھے اور انھوں نے مجھ کو آپ کے پاس دوڑایا ہے کہ آپ میر صاحب کی شیروانی کی ناپ لیکر فوراً بھیجدیں اس لئے کہ صبح خود انھوں نے جو درزی بھیجا تھا وہ بے وقوف کسی اور کا کوٹ پتلون ناپ کرلے گیا ہے اور اس نے جو ناپ جاکر دی ہے وہ اول تو سوٹ کی ہے دوسرے اچھے خاصے ——"۔

ہم نے بڑی زور سے قہقہہ بلند کیا اس لئے کہ وکیل صاحب دور سے کھڑے ہوئے جھانک رہے تھے اور ہمارے نوکر کو اشاروں سے بیان دینے کی ہدایت کر رہے تھے۔ میر صاحب نے بھی قہقہہ بلند کرتے ہوئے کہا۔" بھئی یہ ہو رہا ہے تماشہ اپنی قسم —— کیوں؟"۔

ہم نے کہا۔" لاحول ولاقوۃ اچھی تماشہ ہو رہا ہے یا اس قصہ نے اس تمام بنے بنائے کھیل کو چوپٹ کر دیا تھا"۔

میر صاحب نے ہمارا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینہ پر رکھتے ہوئے کہا: "تمھیں اللہ ذرا دیکھو تو کس قدر دل دھڑک رہا ہے۔"

ہم نے کہا: "اجی ابھی تھوڑی دیر پہلے تو اس دل کی حرکت ہی بند ہونے والی تھی۔ استغفراللہ کیا مذاق ہوا ہے۔

میر صاحب نے الٰہی بخش کو آواز دے کر چائے لانے کا حکم دیتے ہوئے کہا: "واللہ عجیب مذاق ہوا ہے یعنی حاصل زندگی۔"

اس کے بعد میر صاحب پھر اپنے پرانے رنگ پر آگئے اور اُن کے لڑکے نے ایک معمولی سا قانونی جھانسہ دیکر اس بڈھے کو ایسا شیشہ میں اُتارا کہ آپ پھر ثریا کے ساتھ شادی کا خواب شیریں دیکھنے لگے اور پھر وہی رنگیلی گفتگو شروع ہو گئی مختصر یہ کہ ہم ان سے اس وقت تک گفتگو کرتے رہے جبتک کہ چائے نہیں ملی اس کے بعد ان سے اجازت لے کر پہونچے سیدھے اپنے گھر جہاں وکیل صاحب کو اپنا منتظر پایا۔ ہم نے دوڑ کر وکیل صاحب کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "بیشک تم وکیل ہو اور کامیاب وکیل آج تم نے وہ کام کیا ہے جو فیس بھی مانگو کم ہے۔"

وکیل صاحب نے کسر نفسی سے کہا: "خیر یہ ترکیب تو بالکل الہامی طریقہ پر سوجھ گئی تھی مگر سوال تو یہ ہے کہ اس قسم کی حماقت کی ہی کیوں گئی کہ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔"

ہم نے کہا بھائی اس حماقت کے متعلق میں خود تم سے پوچھنے والا تھا کہ یہ قصہ کیا ہے۔"

وکیل صاحب نے کہا۔" میں کیا جانوں میں صبح بالکل بے خبر بیٹھا ہوا تھا کہ شیخ صاحب کا ملازم مع درزی کے آیا اور جو کچھ اس کو ناپنا تھا وہ ناپ کرلے گیا۔ والد صاحب کے نمک حلال میاں الٰہی بخش نے یہ تمام قصہ اُن تک پہونچا دیا وہ تو کہیئے جب والد صاحب یہ دُکھڑا آپ سے رو رہے تھے اس وقت میں نے بھنک سُن لی اور یہ ترکیب چل گیا ورنہ بڑا بُرا ہوتا۔"

ہم نے کہا۔" میں ابھی ابھی شیخ صاحب کے یہاں جاتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ یہ کیا حرکت تھی۔" یہ کہہ کر ہم واقعی نہایت جوش و خروش کے ساتھ تیر کی طرح شیخ صاحب کے مکان کی طرف روانہ ہوئے اس لئے کہ یقیناً یہ حماقت ایسی ہوئی تھی کہ ہمارا تمام کیا دھرا خاک میں مل جاتا اگر وکیل صاحب عین وقت پر اپنی ذہانت اور وکالت سے کام نہ لیتے واللہ اس وقت ہم کو اس قدر غصہ تھا کہ تمام راستہ بڑبڑاتے ہوئے گئے اور شیخ صاحب کے مکان پر بھی پہونچ کر بالکل تھانیدار وں کی طرح ہم نے آواز دی جس کا جواب اندر سے یہ ملا۔

" آئیے ـــــ یہ آواز ہمارے لئے بالکل نئی تھی۔ نہایت حسین اور شرمیلی آواز مگر ہم نے مارے تاؤ کے اس آواز پر بھی غور نہیں کیا اور دروازہ کھولتے ہوئے ایک زناٹے کے ساتھ گھر میں گھس گئے گھر میں پہونچ کر شیخانی صاحبہ کو غائب پایا اور شیخ صاحب بھی ندارد۔ بیچاری ثریا بیچ صحن میں گردن جھکائے ہوئے کھڑی تھی ہم کو دیکھتے ہی نہایت ادب سے سلام کیا ہم نے سلام کا بزرگانہ جواب دیتے ہوئے کہا ـــــ " آپ کی والدہ کہاں ہیں۔"

ثریا نے کہا۔" پڑوس میں گئی ہوئی ہیں بلا دوں ان کو ـــ ؟"

ہم نے فوراً کہا۔" ہاں ذرا اُن کو بلا دیجئے اور جلدی بلایئے۔"

وہ بیچاری بھی گھبرا گئی اور فوراً ہمسائی کے یہاں بھاگ کر گئی چنانچہ شیخانی صاحبہ ایک منٹ کے اندر آموجود ہوئیں۔ اور ہماری پریشانی دیکھ کر ان کے بھی چہرہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں ہم نے ان کو دیکھتے ہی کہا۔" دیکھئے صاحب میں آپ سے صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ اگر آپ کی لڑکی کی شادی کا قصہ بالکل منزل کے قریب نہ ہوتا اور اس میں میری ناک خطرے میں نہ ہوتی تو آج جو حرکت آپ کے یہاں سے ہوئی ہے اس کو دیکھتے ہوئے میں فوراً انتظامات سے بے تعلق ہوکر اپنے گھر بیٹھ رہتا۔

شیخانی صاحبہ نے دم نکل جانے کے انداز سے کہا۔" کیا ہوا بھیّا آخر بات کیا ہے۔"

ہم نے من وعن تمام قصہ سنا کر ان سے پھر کہا۔" یہ آخر آپ نے بالا بالا میر صاحب کے مکان پر آدمی بھیجا کیوں۔"

شیخانی صاحبہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئیں اور تھوڑی دیر کے بعد دانت میں کر بولیں " دیکھو میاں لڑکی کی شادی کے سلسلہ میں باواجان نے میرے منع کرنے کے باوجود یہ پہلا کام کیا تھا اب بتاؤ کہ میں اپنی بوٹیاں نوچوں یا اُن کی۔"

ہم نے کہا۔" یہ کہئے کہ یہ ہمارے جناب شیخ صاحب کی حرکت تھی خیر میں ان کو سمجھا دوں گا۔"

اکیسواں باب

اس کے بار بار اعادہ کی ضرورت نہیں کہ ثریا کی طرف سے بھی ہم ہی سولہ آنہ مالک و مختار تھے اور وکیل صاحب کی طرف سے بھی ہم ہی کو آپ شہ بالا بھی سمجھ سکتے ہیں اور ہم ہی کو دولھا کا باپ بھی مطلب کہنے کا یہ کہ شادی کی تاریخ کا طے کرنا ہی کیا تھا بس گویا ہمارے منھ سے جو تاریخ نکل جاتی وہی دونوں طرف سے طے شدہ تاریخ تھی چنانچہ یہی ہوا کہ ہم نے جمعہ کے دن نکاح کا فریقین کو الٹی میٹم دیدیا اور ساتھ ہی ساتھ اپنا پروگرام بھی دونوں فریق کو سنا دیا کہ ہم نکاح سے دو گھنٹہ پہلے تک دلہن کے یہاں انتظامات میں رہیں گے اس کے بعد دولھا کے یہاں پہونچ جائیں گے اور بارات کے ساتھ دلہن کے یہاں آئیں گے اور دلہن کو رخصت اس طرح کرایا جائیگا کہ وہ شیخ صاحب کے مکان کے ایک کمرے سے دوسرے کمرہ میں چلی جائے ورنہ دراصل دولھا ہی کو دلہن بیاہ کرلے آئے گی۔ چنانچہ ہم اپنے اس پروگرام کے ماتحت اپنے گھر کو مقفل کرکے مع ملازم صاحب دام اقبالہٗ شیخ صاحب کے یہاں چلے گئے تھے اور وہاں شب و روز شادی کے انتظامات میں مصروف تھے حالانکہ ہم نے شیخانی صاحبہ سے وعدہ لے لیا تھا کہ کوئی انتظام نہ ہو بلکہ سادگی کو انتہا تک پہونچا کر اس فرض سے سبکدوش ہونا چاہئے مگر جناب نہیں نہیں کرکے ان محترمہ نے ہم کو تو دوڑاتے دوڑاتے یہ سمجھ لیجئے کہ کلا تو بنا دیا تھا بات یہ تھی کہ جناب

شیخ صاحب قبلہ ،یوں تو گویا پہلے ہی سے گویا پنشن یافتہ معلوم ہوتے تھے دوسرے اس درزی والے واقعہ نے تو ان کو اور بھی غیر متعلق سا بنا دیا تھا اب وہ دن بھر تخت پر بیٹھے ہوئے حقہ پیا کرتے تھے، یا ہم لوگوں کے لئے اور کام میں مصروف بیوی کے لئے پان بنا دیتے تھے لیکن اگر انھوں نے اپنی اس اوقات سے بڑھ کر ذرا بھی انتظامات میں حصہ لیا اور دخل در معقولات کا ارادہ کیا تو بیوی نے دبیں ٹانگ لی اور وہ اپنی جگہ پر خاموش بیٹھ رہے چنانچہ آپ نے یہ مشورہ دیا تھا کہ اب ثریا کو چاہئے کہ وہ ایک کونہ میں بیٹھ رہے۔ ہم نے یہ مشورہ سنتے ہی سخت اختلاف کیا کہ یہ کیا واہیات ہے آخر اس غریب نے کیا گناہ کیا ہے کہ اس کو بند کر دیا جائے وہ ہرگز کونے دونے میں نہ بیٹھے گی بلکہ میرے لئے چائے بنائے گی۔ شیخانی صاحبہ نے شیخ صاحب کا مشورہ تو خیر سنا نہیں البتہ ہمارا چیخنا سن لیا اور ہم سے پوچھا کہ کیا بات ہے تو ہم نے اور بھی نمک مرچ لگا کر کہہ دیا کہ " کچھ نہیں صاحب اس غریب کو کہہ رہے ہیں کہ بے شرم لڑکیوں کی طرح اُچکتی پھرتی ہے اس کو ایک کونہ میں بیٹھنا چاہئے "۔ شیخانی صاحبہ کا یہ سنتے ہی ایک دم دو سو ننانوے ڈگری پر پارہ پہونچ گیا اور ہم کو مخاطب کر کے شوہر نامدار کی شان میں نو تصنیف قصیدہ اس مطلع سے شروع کیا کہ۔

" اچھا تو ان کا مطلب یہ ہے کہ خود تخت پر چڑھے حقہ لئے غٹر غوں کرتے رہیں لڑکی کسی کونہ میں بیٹھ جائے رہ گئے ہم اور تم تو بیوقوفوں کی طرح جان دے ہی رہے ہیں اسی طرح اپنی جان مگر صاحب دیکھو میں پھر کہے دیتی ہوں اگر انھیں کو تمام انتظامات میں ٹانگ اڑانا ہے تو بسم اللہ بندی تو چلی یہاں سے"۔ ہم نے کہا۔

"اور کیا صاحب بُرا معلوم ہوتا ہے کہ ہم تو مر رہے ہیں آپ صرف نادر شاہی احکامات جاری فرما رہے ہیں۔"

شیخانی صاحبہ نے کہا۔"نہیں تو یہ نادر شاہی احکامات بندی نہیں سن سکتی۔"

ہم نے کہا۔"ثریا سے فرما رہے تھے کہ میں یہاں بیٹھا ہوں مگر میرا اقبال کام کر رہا ہے۔"

یہ سنتے ہی ثریا نے چولھا پھونکتے پھونکتے پھکنی میں منھ ڈال کر جو ہنسنا شروع کیا ہے تو اس کی "کھس پھس" سے ہم بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے خیر ہم کو ہنستا ہوا دیکھ کر شیخانی صاحبہ تو چپ ہو کر کسی کام سے دوسری طرف چلی گئیں مگر شیخ صاحب نے نہایت عاجزی کے ساتھ کہا۔"ارے بھائی میں ہاتھ جوڑتا ہوں خدا کے لئے اس قسم کا مذاق نہ کرو تمھارا تو مذاق رہ جائے گا میری شامت یوں ہی بات بات پر آرہی ہے"۔

ہم نے کہا۔"واقعی شیخ صاحب کہتی تو ٹھیک ہیں شیخانی صاحبہ کہ آپ آخر ہیں کس مرض کی دوا۔"

شیخ صاحب نے چپکے سے کہا۔"یہ تو سچ ہے کہ میں آپ کی طرح مستورات کی خدمات انجام نہیں دے سکتا اور یہ کام میرے امکان سے باہر ہے کہ لیس، بیل، فیتہ، اور لچکا، پٹھا، گوکھرو خریدتے پھرتے ہیں بہر حال کہو تو میں گھر میں بیٹھوں کہو باہر چلا جاؤں مگر خدا کے لئے تم اپنی مرغبازی سے باز آجاؤ نہیں تو کسی دن سخت جنگ ہو جائے گی اور پھر تم بھی اس جنگ سے پچھتاؤ گے۔"

ہم کچھ کہنے ہی والے تھے کہ شیخانی صاحبہ نے ہم کو دوسرے کمرے سے آواز دی اور

ہم جو وہاں گئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ اپنے سامنے قالینوں کا ڈھیر لگائے ہوئے کھڑی ہیں ہم کو دیکھتے ہی بولیں ۔" دیکھو یہ چادر قالین تو کل نکاح کے وقت مسجد میں بچھنے کے لئے کافی ہوں گے نا۔ اور یہ باقی گھر میں ڈلوا دئے جائیں گے۔"

ہم نے قالینوں کو دیکھتے ہوئے کہا ۔" ہاں ٹھیک تو ہیں۔ ذرا شیخ صاحب کو بھی دکھا دوں ۔"

شیخانی صاحبہ نے ایک زور کی ڈانٹ بتاتے ہوئے کہا۔" میں قسم کھا کر کہتی ہوں ان سب قالینوں میں دیا سلائی دکھا دوں گی جو تم نے اب کی ان کا نام بھی لیا وہ بس یہی عنایت رکھیں کہ چپ بیٹھے رہیں نہیں تو تم چاہے کوئی کام کرنا یا نہ کرنا مگر میں تو اس گھر ہی میں قدم نہ رکھوں گی ۔"

ہم کچھ کہنے ہی والے تھے کہ ثریا نے آکر کہا ۔" چائے تیار ہے کیا یہاں لے آؤں یا ابا کے پاس لے جاکر رکھوں ۔"

ہم نے کہا۔" نہیں اپنے کمرہ میں لے چلو۔ تمھارے ابا سے اور چائے سے کیا مطلب یہ بھی کوئی حقہ ہے ۔"

ثریا نے اپنے کمرہ میں ایک میز پر نہایت سلیقہ سے چائے لیجا کر رکھدی اور فوراً ہی ہم بھی پہونچ گئے اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھنا ہی چاہتے تھے کہ شیروانی کی جیب سے کوئی چیز نکل کر گری چنانچہ ہم نے بیٹھتے بیٹھتے اٹھ کر اس بکس کو اٹھایا جس کو دیکھتے ہی ثریا نے کہا۔

" بھائی جان یہ کیا ہے ؟"

ہم نے ہنستے ہوئے اور بکس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔" یہ جو کچھ بھی

ہے تم خود دیکھ لو۔"

ثریا نے بکس کھول کر وہ طلائی نکلس نکالا جو ہم خود اسی کو دینے کے لئے لائے تھے اس نکلس کو دیکھ کر اس نے بیساختہ کہا۔" اہاہا۔"

کیسا نازک اور پیارا نکلس ہے کیا یہ بھابی صاحبہ کے لئے لائے ہیں آپ۔

" میں اپنی بیوی کے لئے نہیں اپنی بہن کے لئے لایا ہوں۔" ہم نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

ثریا نے نہایت احتیاط کے ساتھ اس کو بکس میں رکھتے ہوئے کہا۔" بھابی جان کے لئے بھی ایسا ہی بنوایئے گا ہے اچھا۔"

ہم نے کہا۔" پسند ہے تمھیں اچھا دیکھو ذرا گردن میں ڈال کر۔"

ثریا نے شرما کر بکس ہمارے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔" میں نہیں پہنتی ہوں اس کو۔"

ہم کچھ کہنے ہی والے تھے کہ شیخانی صاحبہ نے آکر کہا کہ تم کو وکیل صاحب نے فوراً بلوا بھیجا ہے ذرا جاؤ تو دیکھو کیا قصہ ہے مگر فوراً ہی آجانا اس لئے کہ باورچی کو کل کے لئے سمجھانا ہے۔

ہم چائے کی پیالی بدحواسی کے ساتھ حلق میں انڈیل کر، اور نکلس کا بکس ثریا کے سپرد کر کے بھاگے وہاں سے اور اپنے گھر جو پہونچے تو دیکھتے کیا ہیں کہ وکیل صاحب سڑک پر اس طرح ٹہل رہے ہیں کہ گویا کچہری میں موکل کی جستجو میں ٹہل رہے ہوں ہم کو دیکھتے ہی بولے"۔ بھائی یہ غلط ہے کہ تم خود غائب تو مکان کو بھی مقفل کر دیا۔ یا تو اس میں ڈبل چابی والا قفل ڈالو ورنہ چابی میرے پاس رہیگی۔

ہم نے کہا۔" خیر یہ تو ہوتا رہے گا یہ بتاؤ کہ بلایا کیوں ہے"۔

وکیل صاحب نے کہا۔" بلایا تو اس لئے تھا کہ کل رات سے والد صاحب کو شدید بخار ہے دو مرتبہ تم کو بلوا چکے ہیں بلکہ کل میرے سامنے بھی تم کو بلوا رہے تھے تو میں نے کہہ دیا کہ وہ تو الہ آباد گئے ہوئے ہیں اب اگر تم جانا چاہو تو ہو آؤ مگر یہی کہنا کہ سیدھا الہ آباد سے آرہا ہوں"۔

ہم نے کہا۔" ارے یار تم بھی بس وکیل ہی ہو مجھ کو بھلا اس کی چھٹی کہاں کہ میں ان کی عیادت کے لئے جاؤں اب الہ آباد میں ہوں تو بس الہ آباد ہی میں رہنے دو اور مجھ کو بخشوا البتہ خود تم کل چاہے والد بیمار ہوں یا فرزند دو بجے دن سے میرے مکان پر قید رہو گے چار بج کر پندرہ منٹ پر تمہارا عقد ہو جائے گا اور اس کے بعد تم کو اختیار ہے جو چاہے کرنا۔"

ہم یہ کہہ کر اور مختلف ہدائتیں دے کر وہاں سے چلے آئے۔ ہم کو دیکھتے ہی شیخانی صاحبہ نے پوچھا کہ قصہ کیا ہے چنانچہ ہم نے بتا دیا کہ بفضلہ میر صاحب کو بخار ہے اور انھوں نے یاد فرمایا تھا مگر آپ کے داماد نے ان سے کہہ دیا کہ وہ الہ آباد گئے ہیں لہذا مجھ کو بلایا تھا کہ یہ الہ آباد والی اطلاع دے دیں تاکہ غلطہ نہ ہونے پائے شیخانی صاحبہ مطمئن ہو کر ادھر گئیں اور ثریا وہ نکلس کا بکس لئے ہوئے آئی اور ہم کو دیتے ہوئے بولی۔" اس کو اماں سے چھپائے رکھئے گا۔ ان کو مجھ سے بھی زیادہ پسند ہے۔"

ہم نے کہا۔" خیر وہ تو بجتی ہیں مگر تم اس کو ابھی سے لے سکتی ہو بجائے اس کے کہ میں کل دوں۔"

ثریا نے کہا۔ " واہ یہ تو آپ کی بہن کا ہے۔"

ہم نے کہا۔ " اور کیا تم میری بہن نہیں ہو۔"

ثریا لاجواب ہو کر ہنس دی اور ہم نے اٹھ کر نکلس اس کے گلے میں ڈال دیا شیخانی صاحبہ بکتی ہی رہیں کہ ابھی سے کیوں پہنایا جا رہا ہے مگر ہم نے یہی جواب دیا کہ ہم ابھی کبھی نہیں جانتے۔

ہم کو شیخانی صاحبہ نے رات کو بھی جانے نہ دیا۔ اس لئے کہ دوسرے ہی دن عقد تھا اور شیخانی صاحبہ نے زبردستی کے سو، سوا سو اپنے عزیز بھی پیدا کر لئے تھے اور پھر کچھ خاص احباب بھی تھے جن کی مہمان داری اور میز بانی ضروری تھی بہر صورت رات بھر تو خیر ہم گھر ہی میں رہے لیکن صبح ہی سے ہم کو گھر کے باہر نکال دیا گیا تھا اس لئے کہ مہمانوں کی درآمد شروع ہو گئی تھی، شیخ صاحب ہمارے ساتھ خانہ بدوش ہو گئے اور باہر باورچیوں کے پاس چار پائی پر بیٹھے حقہ پر حقہ اُڑا رہے تھے رہ گئے ہم تو دو بجے تک تو شیخ صاحب کے ساتھ رہے اس کے بعد دلہن والوں کا ساتھ چھوڑ کر دولھا والوں کا ساتھ دینے کے لئے اپنے گھر آ گئے جہاں وکیل صاحب پہلے ہی سے موجود تھے مگر کچھ متفکر اور پژمردہ سے ہم نے ان کو دیکھتے ہی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا۔ " والد کی حالت آج بہت ہی خراب ہے۔ بخار بھی تیز ہے اور تنفّس کی شکایت بھی آج زیادہ ہے۔

ہم نے کہا۔ " اماں چھوڑو بھی اس قصہ کو وہاں نکاح کی دیر ہو رہی ہے اور آپ میر صاحب کی علالت لئے پھر رہے ہیں۔" یہ کہہ کر ہم نے وکیل صاحب کو موٹر پر بٹھا کر مسجد میں لا اُتارا جہاں تھوڑی

ہی دیر میں ثریا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے وابستہ ہوگئے۔

ختم شد

شوکت تھانوی کی دیگر قابل قدر تصانیف

معمہ خاتون

شوکت مرحوم کے ابتدائی دور کا لکھا ہوا ناول۔ ایک خاتون کی دلچسپ کہانی جو اپنے شوہر کے لئے ایک معمہ بنی رہی۔
قیمت مجلد :- ایک روپیہ پچاس پیسے

گرگٹ

ایک ایسے نوجوان کے حالات جو گرگٹ کی طرح ہر روز رنگ بدلتا رہتا تھا۔ کبھی پیر، کبھی مرید، کبھی مسٹر، کبھی مولوی۔ 1/50

مونڈی کاٹے

لکھنؤ کی بیگماتی زبان میں یہاں کے محاورات اور بول چال کو استعمال کر کے شوکت مرحوم نے کمال کر دیا ہے۔ قیمت 1/50

مسکراہٹیں

شوکت صاحب کے ان مضامین کا مجموعہ جو سرپنچ و حریم میں شائع ہوتا رہا 2/50

بڑھبس

ایک بوڑھے بوالہوس کی پُرلطف داستان جسے پڑھ کر ہنسی پر قابو نہیں رکھا جا سکتا شوکت تھانوی کا یہ پہلا ناول ہے جو آج بھی انکے ناولوں کا سرتاج ہے۔ -/2 روپے

شیطان کی ڈائری

انسان ہی دراصل شیطان ہوتا ہے اور اسی حقیقت کو شوکت تھانوی نے اس کتاب میں دکھایا ہے۔ قیمت 1/50

نورتن

شوکت تھانوی کے مزاحیہ اور سنجیدہ مضامین، افسانوں اور دیگر اصنافِ تحریر کے نمونوں کا دلچسپ مجموعہ۔ قیمت -/3 رو

برقِ تبسم

شوکت مرحوم کے ان مضامین کا مجموعہ جو حریم و سرپنچ میں شائع ہوتا رہا -/3